اشتیاق احمد

آفتاب، آصف ـــــــ اور

انسپکٹر کامران مرزا سیریز ع۱۰

برف کی روشنی

اشتیاق احمد

بار اول : نومبر ۱۹۸۱ء
مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
کتابت : مہر عبدالستار راجہ جنگ
قیمت : پانچ روپے پچاس پیسے

مکتبہ اشتیاق - راجپوت مارکیٹ، اردو بازار لاہور

دو باتیں

برف کی روشنی حاضر ہے۔ پڑھتے وقت اگر سردی کا احساس ستانے لگے تو ہیٹر لگا لیجیے گا — مجھ پر بگڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں آپ لوگوں سے میلوں دُور بیٹھا ہوں گا — نزدیک بھی ہوں تو بھی کیا ہے، زیادہ سے زیادہ آپ کتاب میرے منہ پر دے ماریں گے — لیکن آپ فکر نہ کریں، میں بھی آفتاب کی طرح آپ کو غچہ دے جاؤں گا اور آپ کا وار خالی جائے گا — غچہ دینا تو ویسے بھی اب ایک فیشن بنتا جا رہا ہے — جب تک لوگ دوسروں کو دھوکا نہ دے لیں، انہیں چین نہیں آتا، کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ ایمانداری ایک ٹیڑھی کھیر نظر آتی ہے ایسے لوگوں کو؛ حالانکہ ایمانداری کا کھیر سے کوئی رشتہ نہیں اور ٹیڑھی کھیر سے تو شاید دُور پار کا بھی رشتہ نہ نکلے — آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ میں کیسی دو باتیں لکھنے بیٹھ گیا۔ بات دو باتیں کی نہیں، ذہنی رو کی ہے — جس سمت میں بھی یہ قلم کو لے جائے، قلم بے چارہ چلتا جاتا ہے — سُنا ہے قلم تلوار سے زیادہ طاقت ور ہے لیکن میرا قلم بے چارہ تو میری ذہنی رو کے آگے بھی بہت کمزور ہے، تلوار کا مقابلہ تو کیا کرے گا — اب آپ ناول پڑھیے، بہت بور ہو لیے —

اشتیاق احمد

ترتیب

حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ چوتھا صفحہ ترتیب کے لیے مخصوص ہے، اس لیے عنوان وہی رہے گا، البتہ خبردار، ہوشیار احتیاط ہونے اور جھوٹ اور بے ایمانی کے خلاف کمر باندھ لینے کی ضرورت ضرور ہے۔

کسی نقلی اشتیاق احمد نے چار نقلی کتابیں کراچی سے چھاپی ہیں، پتا لاہور کا لکھا ہے، مکتبے کا نام مکتبہ اشفاق رکھا ہے۔ کتابوں کے نام گرین لڑکی، گولڈ شو، نقلی مارزن اور چمک دار انسان ہیں۔

یاد رکھیے، میرے ناول صرف اور صرف مکتبہ اشتیاق سے شائع ہو رہے ہیں، مکتبہ اشتیاق راجپوت مارکیٹ اردو بازار کا پتا دیکھ کر ناول خریدیں، سرورق کے پیچھے میری تصویر بھی دیکھ لیں، ایسا نہ ہو آپ اپنے پیسے ضائع کر بیٹھیں۔ ایسے لوگ آپ کو دھوکا دینے کا خواب دیکھ رہے ہیں، ان کا خواب چکنا چور کر دیں۔ جھوٹ، بے ایمانی، دھوکے، فریب اور جعل سازی کے خلاف ڈٹ جائیے .... بھرپور انداز میں میرا ساتھ دیجیے...

آپ کا

اشتیاق احمد

دھمکی ملتی ہے

سیٹھ ارسلان اس لفافے کو دیکھ کر چونک اٹھے۔ ابھی ایک دن پہلے بالکل ایسا ہی ایک لفافہ انہیں موصول ہوا تھا۔ اس کے الفاظ پڑھ کر انہوں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ خط لکھنے والا ضرور کوئی پاگل ہے۔ یہ خیال آتے ہی انہوں نے خط لفافے سمیت ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا تھا، لیکن آج پھر اسی قسم کا لفافہ دیکھ کر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ لفافہ کھول کر کاغذ نکالا تو لکھا تھا:

"سیٹھ صاحب، کل بھی آپ کو میرا ایک خط ملا تھا۔ آج دوسرا خط حاضر خدمت ہے۔ اس کے بعد میرا ایک خط اور آپ تک پہنچے گا۔ میں ہر آدمی کو تین خط لکھتا ہوں۔ اگر تیسرا خط پڑھ کر بھی وہ میرا مطالبہ نہ مانے تو اس کا انجام بہت بھیانک ہوتا ہے۔ ایک بار پھر آپ کو یاد دلا دوں۔ آپ کے شہر کے جنوبی حصے میں آج کل ایک

گرجا تعمیر ہو رہا ہے۔ آپ اس کی تعمیر کے سلسلے میں صرف دس ہزار روپے چندہ دے آئیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو دس ہزار کی بجائے آپ کو اس سے کہیں زیادہ بڑی رقم سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ اس خط کے بعد میرا تیسرا خط آپ کو ملے گا۔ اس کے بعد صرف اسی روز شام تک انتظار کیا جائے گا اور پھر آپ کا نقصان کرنے کے لیے میرے ہاتھ حرکت میں آ جائیں گے۔ فقط

خدائی فوجدار"

انہوں نے دو تین بار خط کی تحریر کو پڑھا اور پھر جھنجلا کر ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا۔ سر کو ایک جھٹکا دیا اور لفافے کے خیال سے پیچھا چھڑا لیا، لیکن تھوڑی دیر میں ہی پھر لفافے کا خیال آ گیا۔ دوسرے دن صبح تک یہی ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اگلے دن کی ڈاک میں بھی ایک ایسا ہی لفافہ نظر آیا۔ ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک اٹھے۔ خط کے الفاظ بالکل وہی تھے۔ اب ان سے رہا نہ گیا۔ انہوں نے اپنے علاقے کے تھانے کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی کہا گیا:

"تھانہ شاردا روڈ سے سب انسپکٹر فیض اللہ بول رہا ہوں آپ کون صاحب ہیں؟"

"سیٹھ ارسلان۔"

"اوہو، یہ آپ ہیں سیٹھ صاحب، کیسے خیریت تو ہے، مجھ ناچیز کو بہت دنوں بعد یاد کیا۔"

"ہاں، ایک الجھن سی آ پڑی ہے۔ آپ تھوڑی دیر کے لیے میرے دفتر میں نہیں آ جاتے۔"

"تھوڑی دیر کے لیے کیوں۔ زیادہ دیر کے لیے بھی آ سکتا ہوں۔"

"تو پھر تشریف لے آئیے۔" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

صرف پندرہ منٹ بعد سب انسپکٹر فیض اللہ ان کے سامنے کرسی پر بیٹھا تھا۔ انہوں نے خط اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

"اسے ملاحظہ کیجیے"

سب انسپکٹر نے خط پڑھا اور حیران ہو کر بولا:

"پہلے والے دو خط کہاں ہیں؟"

"وہ میں نے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیے تھے۔ یہ سوچ کر کہ لکھنے والا ضرور کوئی پاگل ہے۔"

"ہوں، شاید خط لکھنے والا کوئی عیسائی ہے، تبھی کسی گرجے کے لیے چندہ مانگ رہا ہے۔"

"آپ کو شاید معلوم نہیں، میں بھی عیسائی ہوں۔" سیٹھ ارسلان مسکرائے۔

"ارے اچھا، یہ بات تو مجھے ابھی معلوم ہوئی — پھر تو اس نے چندے کے لیے بالکل درست آدمی کو چنا ہے۔" فیض بولا۔

"لیکن بھئی یہ چندہ مانگنے کا کونسا طریقہ ہے — یہ تو سراسر دھمکی ہے۔" سیٹھ ارسلان نے جھلا کر کہا۔

"جی ہاں، بالکل — کیا آپ چندہ ادا کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔ اسے اگر چندہ چاہیے تھا تو مجھ سے آکر درخواست کرتا، میں اسے گرجے کے لیے چندہ ضرور دیتا، لیکن جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہے، میرے خیال میں تو وہ سراسر غیر قانونی ہے۔"

"جی ہاں، ہے تو غیر قانونی ہی — خیر آپ فکر نہ کریں۔ اس خط کو میرے پاس رہنے دیں — میں اس کی فوٹوسٹیٹ کاپی بنوا کر آپ کو لوٹا دوں گا۔"

"کوئی بات نہیں — آپ ضرور اسے رکھیے اور رپورٹ بھی لکھ لیجیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سچ مچ میرا کوئی نقصان کر دے۔"

"آپ فکر نہ کریں — ایسا نہیں ہوگا۔ اس قسم کے لوگ خالی پیلی دھمکیاں ہی دیا کرتے ہیں اور بس۔"

"بہت بہت شکریہ۔ ٹھنڈا منگواؤں یا گرم۔"

"چلیے چائے ہی منگوا لیجیے۔" فیض نے مسکرا کر کہا۔

وہ اکثر سیٹھ صاحب کے پاس آکر چائے پیتا رہتا تھا —

اس کے جانے کے بعد سیٹھ صاحب نے گھڑی دیکھی اور گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلوایا — اس کے اندر آتے پر انہوں نے کہا:

"ڈرائیور کہاں ہے؟"

"جی، کینٹین میں بیٹھا ہے۔"

"اس سے کہو، بے بی کو کالج سے لے آئے۔" انہوں نے کہا — وہ اپنی بیٹی شمائلہ کو بے بی کہا کرتے تھے — وہ شہر سے باہر پہاڑی پر بنے ایک خوب صورت کالج میں پڑھتی تھی — چپراسی کے جانے کے بعد سیٹھ صاحب اپنے کام میں محو ہو گئے۔ تقریباً آدھ گھنٹے بعد ان کے فون کی گھنٹی بجی اور ایک پُراسرار آواز نے کہا:

"سیٹھ صاحب، آپ نے میرے تینوں خطوں پر کوئی توجہ نہیں دی۔ الٹا پولیس میں رپورٹ درج کرا دی؛ حالانکہ میں نے ایک نیک کام کے لیے آپ کو دعوت دی تھی — خیر اب اپنے نقصان کی خبر سننے کے لیے تیار ہو جائیے۔"

"کون ہو تم اور کہاں سے بول رہے ہو؟" سیٹھ ارسلان نے بوکھلا کر کہا — لیکن دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا تھا — انہوں نے ریسیور رکھ دیا — فوراً ہی گھنٹی بجی — ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو دوسری طرف سے ان کا ڈرائیور بوکھلائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا:

"سیٹھ صاحب، گاڑی تباہ ہو گئی۔"

"کیا؟" وہ زور سے چلا اٹھے —

"جی ہاں، میں بے بی صاحبہ کے کالج تک پہنچنے کے لیے پہاڑی
سڑک کا چکر کاٹ رہا تھا کہ پچھلا پہیہ نکل گیا۔ گاڑی کنٹرول سے
باہر ہوگئی۔ میں نے اسے روکنے کی لاکھ کوشش کی۔ لیکن اس
وقت تک وہ کھائی کے عین سرے پر پہنچ چکی تھی۔ میں نے
بڑی مشکل سے کود کر اپنی جان بچائی۔"

"اوہ۔"

سیٹھ صاحب کے منہ سے نکلا — خطوط اور فون پر اس آواز
کے الفاظ ان کے کانوں میں گونجنے لگے —

***
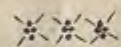
"ڈاکٹر فونٹانا — ماہر نفسیات — یہاں پر تمام پُراسرار امراض کا
علاج روحانی طریقوں سے کیا جاتا ہے۔"

آفتاب بورڈ پر لکھے الفاظ پڑھتا چلا گیا — بورڈ اور وہ عمارت
جس پر بورڈ لگا ہوا تھا — اس کے نیچے مردوں اور عورتوں کی اچھی بھلی
تعداد دیکھ کر اس کے قدم خود بخود رک گئے تھے —

"کیا ہوا تمہیں، رک کیوں گئے؟" آصف نے جھلا کر کہا۔

"اس بورڈ کو پڑھو، تم بھی رک جاؤ گے۔" آفتاب مسکرایا۔

"کیوں، اس بورڈ اور اس کے الفاظ میں ایسی کیا بات ہے؟"

آصف واپس پلٹا اور الفاظ پڑھنے لگا — پھر آفتاب کو گھورتے ہوئے
بولا:

"ایسے بورڈ تو تمہیں شہر میں نہ جانے کتنے دکھائی دیں گے۔
تو پھر، کیا تم ہر بورڈ کے سامنے رک جایا کرو گے۔" آصف نے کاٹ
کھانے والے لہجے میں کہا —

"آگ کے انگارے تو نہیں چبائے تھے ناشتے میں۔ ذرا عقل
کی آنکھوں سے پڑھو — ایک طرف تو یہ ڈاکٹر صاحب ماہر نفسیات ہیں۔
دوسری طرف علاج کرتے ہیں روحانی طریقے سے — انہیں تو ماہر نفسیات
ہونے کی بجائے ماہر روحانیات ہونا چاہیے تھا، تمہیں شاید معلوم
نہیں — ماہر نفسیات بننے کے لیے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنا پڑتی ہے۔
اور ایسے لوگ نفسیاتی طریقوں سے ہی علاج کرتے ہیں، نہ کہ روحانی
طریقوں سے —" آفتاب کہتا چلا گیا —

"ہوں، شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے، تمہیں بھی
نفسیات اور روحانیت سے بہت دلچسپی ہے —"

"نہیں، میں تو ایک عام بات کہہ رہا ہوں۔"

"خیر ہوگا، ہمیں اس سے کیا کہ یہ ڈاکٹر صاحب اپنے مریضوں
کا علاج کس طرح کرتے ہیں — یہ ان کا کام ہے ان ہی کو ساجھے،
آؤ چلیں۔"

"کیوں نہ ہم میں سے ایک ان سے علاج کرا کر دیکھے۔" آفتاب

نے ایک قدم بھی آگے بڑھائے بغیر کہا۔

"لیکن ہم میں سے کوئی بھی بیمار نہیں ہے۔" آصف جھنجلا اُٹھا۔

"تو کیا ہوا، بیمار ہوتے کیا دیر لگتی ہے۔ سنو، مجھے رات کے وقت حد درجے ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔ انہیں دیکھتے دیکھتے میں چلا اُٹھتا ہوں۔ یہ روز کا معمول ہے۔ گھر والے میری اس بیماری سے تنگ آ چکے ہیں؛ لہٰذا ہم ان سے علاج کرانے آئے ہیں۔"

"لیکن اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟" آصف نے عاجز آکر کہا۔

"بھئی ذرا دیکھیں گے کہ یہ کس طرح علاج کرتا ہے۔ بھیڑ سے صاف نظر آتا ہے کہ شہر کا بہت ہی ماہر نفسیات ڈاکٹر ہے۔ میں نے آج تک کسی ماہر نفسیات کے دروازے پر اتنی بھیڑ نہیں دیکھی۔"

"نہ دیکھی ہوگی، میں نے سرے سے کسی ماہر نفسیات کا مطب ہی نہیں دیکھا۔"

"اوہو، تب تو تمہیں اپنی آنکھوں کا علاج کرانا چاہیے۔ خیر، اس سلسلے میں بھی انہی سے بات کرلیں گے۔"

"تم پاگل تو نہیں ہوگئے۔"

"نہیں، اور نہ کوئی ایسا ارادہ ہے۔ فکر نہ کرو۔ اب آؤ ذرا آگے بڑھیں گے۔"

"اسے کہتے ہیں، آ بیل مجھے مار۔"

"بھئی، یہ آدمی ہیں، بیل نہیں۔" آفتاب نے کہا اور بھیڑ کی

طرف بڑھ گیا۔ آصف نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا ساتھ دیا۔

انہوں نے دیکھا، سب لوگ ایک لائن میں کھڑے تھے۔ یہ دونوں بھی لائن میں لگ گئے۔ آصف بُرے بُرے منہ بنا رہا تھا۔

"بے شک زور شور سے بُرے بُرے منہ بناتے رہو۔ اس سے ڈاکٹر صاحب کو یہ یقین دلانے میں مدد ملے گی کہ ہم واقعی نفسیاتی مریض ہیں۔" آفتاب نے دبے لہجے میں کہا۔

"تمہاری جیب میں بھی کچھ ہے۔ ایسے ڈاکٹروں کی فیس بہت لمبی چوڑی ہوتی ہے۔"

"اوہو اچھا، یہ لوگ پیمائش کے حساب سے فیس وصول کرتے ہیں۔" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"اب تم سے کون مغز مارے۔"

"تم۔ بھلا اور کون ہے یہاں جو مجھ سے مغز مارے گا۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" آصف نے بھنا کر کہا۔

"لائن میں سے ایک آدمی بھی غائب نہیں ہوا، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی شیطان نہیں ہے۔"

"اچھا یار، خاموش رہو۔ کان نہ کھاؤ۔"

"ڈرتے کیوں ہو۔ کانوں کا بھی علاج کرالیں گے۔"

"اُف۔" آصف کے منہ سے تنگ آکر نکلا۔

"کیا ہوا؟ کیا تکلیف بڑھ رہی ہے۔" آفتاب نے پریشان

ہو کر کہا—

"مریض تم ہو، میں نہیں—" آصف نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"اوہ ہاں، میں تو بھول ہی گیا تھا—"

اسی وقت لائن آگے کھسکنے لگی— دونوں نے بھی قدم آگے بڑھائے— اب ان کے پیچھے بھی بہت سے لوگ آکھڑے ہوئے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں، عورتوں کے لیے الگ لائن نہیں تھی۔ یہ اور بات ہے کہ مریضوں میں زیادہ تعداد عورتوں کی تھی۔

"یار آفتاب، اس طرح تو ہماری باری بہت دیر میں آئے گی، اور ہم گھر دیر سے پہنچیں گے۔ پھر انکل ہماری خوب خبر لیں گے، کیوں نہ ہم یہ پروگرام پھر کسی دن پر اٹھا دیں—"

"نہیں، ہم آج ہی ڈاکٹر صاحب کو دکھا کر جائیں گے، جو ہوگا دیکھا جائے گا—"

"اچھا بھائی، جیسے تمہاری مرضی—" آصف نے ہار مان کر کہا۔

آخر خدا خدا کرکے وہ ایک کمرے میں پہنچے— یہاں ایک نوجوان عورت آنکھوں پر چشمہ لگائے بیٹھی تھی— اس کے آگے ایک میز بھی تھی— میز پر ایک رجسٹر رکھا تھا— اس نے دونوں پر ایک نظر ڈالی اور پھر بولی:

"جی فرمایئے، آپ کو ڈاکٹر صاحب سے کس سلسلے میں ملنا ہے؟"

"مجھے رات کو بہت ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔ اتنے ڈراؤنے کہ اگر میں آپ کو سنا دوں تو آپ بھی ڈر جائیں— میرے خوابوں نے سارے گھر کی نیند حرام کر دی ہے۔ وہ اس طرح کہ میں زور زور سے چیخنے لگتا ہوں اور جب تک سارے گھر والے میرے گرد جمع نہیں ہو جاتے، اس وقت تک مجھے سکون محسوس نہیں ہوتا—" آفتاب رکے بغیر کہتا چلا گیا۔

"اوہو۔ آپ کا مرض تو کافی خطرناک اور کیس بگڑا لگتا ہے، خیر آپ سو روپے مشورے کی فیس کے طور پر جمع کرا دیں۔ باقی علاج پر جو کچھ خرچ آئے گا، وہ ڈاکٹر صاحب آپ کو بتائیں گے—"

"جی— سو روپے—" آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں، کیوں— کیا زیادہ محسوس ہوئے ہیں—" عورت نے کہا۔

"جی نہیں، مجھے تو سن کر حیرت ہوئی ہے کہ اتنے بڑے ماہر نفسیات ڈاکٹر اور مشورے کی فیس صرف سو روپے— ان کی فیس تو پانچ سو روپے ہونی چاہیے— آصف صاحب، انہیں سو روپے دے دیں—" اس نے آصف کی طرف گردن گھمائی۔

"میں دوں—" آصف نے اسے گھورا۔

"ہاں، ابا جان نے تمہیں ہی تو پیسے دیے تھے—" آفتاب نے اشارۃً کہا اور آصف کو یاد آگیا کہ صبح انسپکٹر کامران مرزا نے انہیں سکول کی کتابوں کے دو سو روپے دیے تھے— اس کی جان میں جان

آئی۔ جلدی سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس عورت کو دے دیا۔ اس نے نوٹ لیا اور پھر آفتاب کا نام پتا اور مرض کی کیفیت لکھنے کے بعد ایک پرچی اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولی:

"اس بنچ پر بیٹھ جائیے۔ ایک مریض اندر گیا ہوا ہے۔ جب ڈاکٹر صاحب اسے فارغ کریں گے تو دروازے پر لگا سرخ بلب جل اُٹھے گا۔ اس وقت آپ اندر جا سکتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

دونوں بنچ پر بیٹھ گئے۔ اس دوران میں عورت ان کے بعد آنے والے مریض سے بات کرنے لگی تھی۔

"یہ سو روپیہ کس حساب میں جائے گا؟" آصف نے سرگوشی کی۔

"دو سو روپے کی کتابوں کی بجائے ایک سو روپے کی کتابیں لے آئیں گے۔ یعنی ہر مضمون کی ایک ایک کتاب سے دونوں کام چلائیں گے۔" آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن کلاس فیلو کیا کہیں گے۔ ٹیچر کیا خیال کریں گے۔ اگر انکل کو پتا چل گیا تو ہم انہیں کیا جواب دیں گے۔" آصف ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔

کلاس فیلو کچھ بھی کہتے رہیں، ان کی سنتا کون ہے۔ ٹیچروں کو کیا پڑی ہے کہ اس پر غور کریں۔ رہ گئے ابا جان، اگر انہیں

پتا چل گیا تو ہم سچ سچ بتا دیں گے۔ دوسرے یہ کہ بنک میں ہمارا کچھ جیب خرچ جمع ہو گیا ہے، ہم سو روپے اس میں سے نکال سکتے ہیں۔" آفتاب نے جواب دیا۔

"یہ ترکیب ٹھیک رہے گی، لیکن تم اپنے حساب میں سے سو روپے نکالو گے۔"

"یار، تم اتنے کنجوس کیوں ہو گئے ہو اور خود کو اس معاملے سے الگ تھلگ کیوں محسوس کر رہے ہو۔" آفتاب نے جھلّا کر کہا۔

"اس لیے کہ یہ معاملہ میرے نزدیک سرے سے کوئی معاملہ ہے ہی نہیں۔ آج کل سیکڑوں قسم کے ڈاکٹر بازار میں بیٹھتے ہیں۔ پھر کیا تم ان سب کو دیکھتے اور خود کو دکھاتے پھرو گے۔"

"مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا کہ ہر ڈاکٹر کو دکھاتا پھروں گا۔ یہاں رکنے کی خاص وجہ تھی۔ ایک تو اس ڈاکٹر کا نام بہت عجیب ہے، دوسرے ماہر نفسیات ہو کر روحانی طریقے سے علاج کرتا ہے۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے۔" آفتاب بھی بھلا کہاں رکنے والا تھا۔

"تمہارے نزدیک یہ عجیب بات ہو سکتی ہے۔ آج کل انگریزی ڈاکٹر دیسی طریقوں سے علاج کرتے نظر آتے ہیں اور دیسی ڈاکٹر انگریزی دوائیں مریضوں کو دیتے رہتے ہیں، پھر اگر کوئی ماہر نفسیات روحانی طریقے سے علاج کرنے لگے تو اس میں عجیب کیا ہے!"

"اچھا، بس۔ سرخ بلب جل اٹھا ہے۔" آفتاب نے سر کے

اوپر اشارہ کرتے ہوئے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا ۔ آصف کو بھی اٹھنا پڑا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو سامنے ایک دیوار نظر آئی ۔ اس پر تیر کے نشان کے ساتھ لکھا تھا، دائیں مڑیے ۔ دونوں دائیں طرف مڑ گئے ۔ سامنے انہیں ایک دروازہ نظر آیا ۔ اس کمرے کا دروازہ دھکیل کر وہ اندر داخل ہوئے ۔ یہ کمرہ خالی تھا۔ کمرے کے بیچوں بیچ دو کرسیاں رکھی تھیں - ان کے اندر داخل ہوتے ہی ایک آواز ابھری :

"کرسیوں پر تشریف رکھیے۔"

انہوں نے ادھر ادھر دیکھا۔ بولنے والا کہیں نظر نہیں آیا ۔ دونوں حیرت زدہ سے کرسیوں کی طرف بڑھے اور بیٹھ گئے۔ اسی وقت کمرے کا بلب بجھ گیا اور ان کے سر کے اوپر بلب جلنے لگا۔ اس بلب کی روشنی بالکل سفید تھی۔ انہیں ٹھنڈک کا احساس ہوا جب کہ یہ اچھی خاصی گرمیوں کے دن تھے اور ابھی ابھی وہ گرم ہوا کے تھپیڑے کھا کر اندر داخل ہوئے تھے، لیکن اس بلب کے جلتے ہی گرمی پر لگا کر اڑ گئی۔

اچانک سامنے کی دیوار میں ایک ننھا سا خلا نمودار ہوا ۔ اس میں سے ایک چھوٹی سی ٹرے پہیوں پر چلتی ان تک پہنچ گئی ۔

"پرچی اس ٹرے میں رکھ دیجیے۔" آواز پھر گونجی۔

آفتاب نے پرچی ٹرے میں رکھ دی ۔ ٹرے واپس چلی گئی ۔ خانہ

غائب ہو گیا ۔ تھوڑی دیر بعد آواز پھر ابھری :

"تو آپ کو بہت ڈراؤنے خواب آتے ہیں؟"

"جی، جی ہاں ۔" منہ کھولتے ہی آفتاب کے دانت بج اٹھے۔

سردی اب بہت بڑھ گئی تھی ۔ اس میں لحظہ بہ لحظہ اضافہ ہو رہا تھا ۔

"بہت خوب، آپ کتنے گھنٹے سوتے ہیں؟"

"جی ۔ چھ ۔ چھ گھنٹے۔" آفتاب بولا۔

"رات کا کھانا کس وقت کھاتے ہیں؟"

"سونے سے تین گھنٹے قبل ۔" آفتاب بولا ۔ اب ان کے جسموں پر کپکپی طاری ہو گئی ۔ آخر آصف سے رہا نہ گیا۔ بول اٹھا:

"ڈاکٹر صاحب، اس کمرے میں اتنی ٹھنڈک کیوں ہے؟"

"یہ ٹھنڈک یہ روشنی پیدا کر رہی ہے ۔ میں اس روشنی کے ذریعے ہی علاج کرتا ہوں۔" ڈاکٹر کی آواز آئی ۔

"لیکن ڈاکٹر، یہ روشنی تو ہماری رگوں میں خون جما دے گی۔ کیا یہ برف کی روشنی ہے؟" آفتاب نے کہا۔

"برف کی روشنی، بھئی بہت خوب ۔ آج تک میرے کسی مریض نے اس روشنی کو برف کی روشنی کا نام نہیں دیا ۔ آپ نے بہت ہی پیارا نام تجویز کیا ۔ ہاں آپ اسے برف کی روشنی ہی کہہ لیں ۔ اب سنیے، میں آپ کا علاج کرنے کے لیے تیار ہوں ۔ آپ کو دس دن تک متواتر یہاں آنا ہوگا ۔ اور سو روپے روز فیس ادا کرنا ہوگی ۔

دس دن کے بعد آپ پوری طرح صحت یاب ہو جائیں گے اور اس کے بعد آپ کو کبھی بھی ڈراؤنے خواب دکھائی نہیں دیں گے "

"بہت بہتر ــ ہم دس دن تک آئیں گے ــ لیکن ڈاکٹر صاحب، کیا آپ اپنے مریضوں کے سامنے نہیں آتے "

"نہیں، میں ماہر نفسیات ہوں ــ لوگوں کی نفسیات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں ــ سامنے آنے پر مریض میرا وہ اثر قبول نہیں کریں گے ــ جو سامنے نہ آنے کی صورت میں کرتے ہیں "

"اور یہ کیا بات ہے کہ آپ علاج روحانی طریقے سے کرتے ہیں ؟"

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے ــ میں کچھ علم بھی جانتا ہوں ۔ پڑھ کر دم بھی کرتا ہوں ــ میرے پاس کچھ ایسے علوم بھی ہیں جن کے ذریعے روحوں سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے "

"ارے باپ رے، تو آپ اپنے مریضوں کی روحوں سے رابطہ بھی پیدا کر لیتے ہیں "

"ہاں ضرورت پڑنے پر ــ لیکن اس کی فیس پانچ سو روپے روزانہ ہوتی ہے ــ آپ کا مرض بہت معمولی ہے ــ اسے تو میں ہپناٹزم سے ہی ختم کر دوں گا "

"اوہو، تو آپ ہپناٹزم بھی جانتے ہیں "

"جی ہاں، اب آپ جا سکتے ہیں، کل پھر آیئے گا ــ آپ کا

باقاعدہ علاج کل شروع ہو گا ــ سامنے والے دروازے سے نکل جایئے "

"جی بہتر " دونوں نے ایک ساتھ کہا اور دروازے سے باہر نکل آئے ــ انہوں نے دیکھا، اب وہ تنگ سی گلی میں کھڑے تھے. گلی سے باہر نکلے تو ایک دوسری سڑک پر خود کو پایا ــ چکر کاٹ کر اس سڑک پر آئے جس پر ڈاکٹر کے مطب کا بیرونی دروازہ تھا ــ یہاں ابھی تک اتنی ہی لمبی لائن لگی تھی ــ

"سو روپے پر پانی پھر گیا " آصف نے افسوس زدہ لہجے میں کہا ۔

"چلو یار، کوئی بات نہیں ــ میں اپنے اکاؤنٹ میں سے تمہیں سو روپے نکلوا دوں گا " آفتاب بولا ۔

"آخر تمہیں فائدہ کیا ہوا ؟ یہ ڈاکٹر تو بالکل بھی فراڈ نہیں لگتا "

"ہاں، ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن یار وہ سرد روشنی کس قدر عجیب تھی ــ ہم نے آج تک اتنی سرد روشنی پہلے کبھی نہیں دیکھی "

"اس نے دیواروں میں ایئر کنڈیشنر فٹ کرا رکھے ہوں گے. اس روشنی میں ایسی کوئی بات نہیں ہو سکتی " آصف نے انکار میں سر ہلایا ــ

"ہو سکتا ہے یہی بات ہو ــ اس کے باوجود مجھے یہ ڈاکٹر عجیب لگا ہے ــ دیکھو نا، وہ اپنے مریضوں کے سامنے آتا ہی نہیں "

"شاید اسی لیے اس کے دروازے پر بھیڑ لگی رہتی ہے ۔ آؤ

اب چلیں؛ ورنہ سچ مچ انکل ہماری خبر لینے کے لیے تیار ملیں گے۔"

دونوں شام کی سیر کرتے ہوئے آج پہلی مرتبہ اس طرف نکل آئے تھے — آفتاب ڈاکٹر کا بورڈ پڑھ کر رک گیا تھا۔ دونوں واپس چل پڑے — معمول سے آدھ گھنٹا زیادہ ہو گیا تھا — اس لیے انسپکٹر کامران مرزا کی ناراضی کا خیال انہیں پریشان کیے دے رہا تھا — تیز تیز چلتے سڑک پر آئے ہی تھے کہ ایک کار ان کے پاس سے گزر گئی:

"یار آفتاب، تم نے اس کار کو دیکھا؟" آصف نے جلدی سے کہا۔

"کیوں، اس میں کیا خاص بات تھی؟"

"اس کا ایک پچھلا پہیہ نکلنے کے قریب ہے — کہیں یہ کسی حادثے کا شکار نہ ہو جائے — پہیہ مجھے بالکل صاف نظر آیا ہے۔"

"اوہ، پھر ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"ہمیں کار کے ڈرائیور کو خبردار کرنا چاہیے۔"

"ہم یہ کس طرح کر سکتے ہیں —"

"ایک ٹیکسی پکڑ کر —" آصف بولا۔

"اور اس طرح ہم اور لیٹ ہو جائیں گے — ابا جان کا پارہ اور چڑھ جائے گا —" آفتاب نے انکار میں سر ہلایا۔

"لیکن انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اسے خبردار کر دیں —"

"اچھی بات ہے، آؤ —" آفتاب نے کہا — دونوں نے ٹیکسی

کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں — جلد ہی ایک خالی ٹیکسی مخالف سمت سے آتی نظر آئی — آفتاب نے اسے رکنے کا اشارہ کیا، اس کے رکتے ہی دونوں جلدی سے اس میں سوار ہو گئے۔

"ابھی ابھی ایک سفید رنگ کی کار اس طرف گئی ہے۔ ہمیں اس کے نزدیک پہنچنا ہے — اس کا پچھلا پہیہ نکلنے کے قریب ہے۔ ہمیں ڈرائیور کو خبردار کرنا ہے کہ وہ اور گاڑی خطرے میں ہے — مہربانی فرما کر ذرا تیز چلیے۔"

"اچھی بات ہے۔" ٹیکسی ڈرائیور نے کہا اور گاڑی فل سپیڈ پر چھوڑ دی، لیکن اتنی دیر میں اگلی کار نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ آندھی اور طوفان کی طرح وہ پہاڑی سڑک تک پہنچ گئی — یہاں انہیں دو کاریں آگے جاتی نظر آئیں — اب وہ پچھلی سفید کار کے اتنا قریب تو پہنچ ہی گئے تھے کہ ان کی آوازیں ڈرائیور تک جا سکتیں؛ چنانچہ وہ بلند آواز میں چلائے:

"روکو، کار روکو — پہیہ نکلنے والا ہے۔"

اچانک پچھلی سفید کار رک گئی — انہوں نے بھی ٹیکسی ڈرائیور کو رکنے کا اشارہ کیا — گاڑی کے رکتے ہی نیچے اترے اور سفید کار کی طرف بھاگے۔ اس کار کا ڈرائیور بھی اتنے میں نیچے اتر آیا —

"کیا بات ہے؟" اس نے چلا کر کہا — یہ ایک نوجوان آدمی تھا — آنکھوں پر سنہری فریم کا چشمہ تھا —

"آپ کی کار کا پچھلا پہیہ نکلنے والا ہے۔ ہم نے اپنا فرض جانا کہ آپ کو خطرے سے آگاہ کر دیں۔ بائیں طرف کا پہیہ دیکھیے۔"

"اوہ!" نوجوان نے گھبرا کر کہا۔ پھر جلدی سے پہیئے کی طرف گیا اور پھر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں آگ اگلنے لگیں:

"شاید لوگوں کا مذاق اڑانا آپ کا مشغلہ ہے، لیکن ....."

ڈرائیور اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا — اسی وقت ٹیکسی ڈرائیور کی خوفزدہ آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی —

"ارے، ارے .... وہ گئی —"

ان سب نے ٹیکسی ڈرائیور کی نظروں کے تعاقب میں اگلی سفید کار کی طرف دیکھا اور پھر ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے — اگلی سفید کار کا پہیہ نکل گیا تھا اور وہ لڑھکتا ہوا کھائی میں گرتا چلا جا رہا تھا۔ کار بری طرح لڑکھڑاتی ہوئی کھائی کی طرف رُخ کر رہی تھی — اسی وقت انہوں نے اس کے ڈرائیور کو کار سے چھلانگ لگاتے دیکھا اور فوراً بعد ہی کار کھائی میں جا گری — ایک خوفناک دھماکا ہوا اور کار کو آگ لگ گئی۔ وہ دھڑا دھڑ جلنے لگی —

"آپ نے دیکھا جناب، دراصل اس سفید کار کے ڈرائیور کو ہم خبردار کرنے کے لیے چلّا رہے تھے — درمیان میں آ گئے آپ۔" آفتاب نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہ، مجھے افسوس ہے — میں نے آپ کو غلط سمجھا۔" نوجوان

نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں —" آصف نے کہا اور اگلی کار کے ڈرائیور کی طرف دیکھا، وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور نیچے جلتی ہوئی کار کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ دونوں کے قدم اس کی طرف اٹھنے لگے —

"ہمیں بہت افسوس ہے — ہم آپ کو خبردار کرنے کے لیے ٹیکسی میں بیٹھ کر بہت تیز رفتاری سے آ رہے تھے، لیکن آپ کے پیچھے بھی ایک سفید کار تھی — کیونکہ تھوڑی دیر کے لیے آپ کی کار نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ اس لیے ہم یہ نہ جان سکے کہ کونسی کار کا پہیہ نکلنے والا ہے — ہم نے شہری حدود میں پہیہ نکلتے دیکھ لیا تھا۔"

"اوہ، کاش آپ اسی وقت شور مچا کر مجھے خبردار کر دیتے۔"

"جتنی دیر میں ہم شور مچانے کے لیے تیار ہوئے، اتنی دیر میں آپ دُور نکل چکے تھے۔ اس کے بعد ہم نے ٹیکسی پکڑ کر آپ کو خبردار کرنے کی کوشش کی — اس دوران میں آپ کی کار نظروں سے اوجھل ہو گئی۔"

"خیر، جو ہونا تھا ہو گیا۔"

"کیا کار آپ کی اپنی تھی؟" آصف نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"جی نہیں، میں ڈرائیور ہوں — یہ سیٹھ ارسلان کی کار ہے۔"

"سیٹھ ارسلان، جو اُون کے سب سے بڑے سوداگر ہیں؟" آفتاب

نے چونک کر کہا، کیونکہ اُس نے کئی مرتبہ سیٹھ ارسلان کا نام سُنا تھا۔

"جی ہاں، وہی۔"

اس دوران میں نوجوان اور ٹیکسی ڈرائیور کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ان کے آس پاس آکر کھڑے ہو گئے تھے اور حادثے کی تفصیلات جاننے کے خواہشمند نظر آ رہے تھے۔ سڑک پر رُکنے والی کاروں کی لائن لمحہ بہ لمحہ لمبی ہوتی جا رہی تھی — ڈرائیور نے جلدی جلدی ان لوگوں کو بتایا کہ حادثہ کس طرح ہوا ہے — اور پھر ان کی طرف مُڑا۔

"آپ ٹیکسی میں واپس شہر کی طرف جائیں گے نا؟"

"جی ہاں۔" آصف بولا۔

"تب پھر مجھے بھی کسی ٹیلی فون بوتھ پر اُتار دیجیے گا — میں سیٹھ ارسلان کو حادثے کی اطلاع دے کر کوئی ٹیکسی پکڑ لوں گا، تاکہ بے بی کو کالج سے واپس لا سکوں۔"

"تو آپ سیٹھ صاحب کی بیٹی کو کالج سے لینے جا رہے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"بہت اچھا — آئیے پھر چلیں۔"

دونوں گھر پہنچے تو پورا ایک گھنٹا لیٹ ہو چکے تھے — انہوں نے ڈرتے ڈرتے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ انسپکٹر کامران مرزا نے کھولا — ان کے چہرے پر غصے کے آثار نہیں تھے — مسکرا کر بولے:

"لیٹ ہونے کی ضرور کوئی وجہ ہوگی — پہلے میں وجہ سنوں گا، اور اس کے بعد یہ سوچوں گا کہ تم دونوں پر ناراض ہونا مناسب ہے یا نہیں۔"

"شکریہ انکل، خدا آپ جیسے انکل ہر ایک کو دے۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔

"میرا شکریہ بھی قبول فرمائیے ابا جان، ہم دونوں کی تو جان ہی سُوکھ چلی تھی۔" آفتاب نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"چلو اندر آؤ، مجھے بتاؤ۔" وہ شفقت بھرے لہجے میں بولے۔

دوسرے دن صبح اخبار کی ایک خبر پر ان کی نظریں جم گئیں — وہ حیرت زدہ انداز میں اس خبر کو پڑھنے لگے۔

سکول بیمار ہے

خبر کی سرخی یہ تھی۔ سیٹھ ارسلان کی کار کو پراسرار حادثہ، نیچے تفصیل درج تھی — اس تفصیل میں ان تین خطوط کا ذکر تھا جن میں گرجے کے لیے چندہ دینے کے لیے لکھا گیا تھا اور عمل نہ کرنے کی صورت میں سیٹھ ارسلان کو پچاس ہزار روپے کے نقصان کی دھمکی دی گئی تھی اور یہ نقصان اسی شام ہو گیا تھا، جس شام کو سیٹھ ارسلان کو تیسرا خط ملا تھا —

"حیرت انگیز خبر ہے — مزے کی بات یہ کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے یہ حادثہ ہوتے دیکھا تھا۔"

"معاملہ واقعی بڑا دلچسپ ہے — دوسری طرف ڈاکٹر مونٹانا والا معاملہ بھی کم دلچسپ نہیں ہے؛ گویا تم نے ایک ہی وقت میں دو دلچسپ معاملوں میں ہاتھ ڈال دیا ہے، خدا رحم کرے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کسی مسجد یا گرجے کے لیے چندہ وصول کرنے کا یہ طریقہ ہم نے

پہلی مرتبہ سنا ہے — کیا اس حادثے میں گرجا تعمیر کرنے والوں میں سے کسی کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا — ویسے میں اس شخص سے ضرور ملوں گا، جو گرجے کی تعمیر کا اصل ذمے دار ہے۔"

"آپ ملیں گے؟" آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، کیوں میں نہیں مل سکتا اس سے۔"

"میرا مطلب تھا، اس قسم کے کام تو ہم بھی کر سکتے ہیں۔"

"تم ڈاکٹر مونٹانا سے ملو گے — آج سے تم باقاعدہ علاج شروع کراؤ گے۔"

"جی۔" دونوں زور سے چونکے —

"ہاں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ کس طرح علاج کرتا ہے۔"

"اس سے زیادہ عجیب تو اس کی وہ برف کی روشنی ہے۔"

"اس روشنی کی وجہ سے ہی تو میں تمہیں وہاں دوبارہ بھیج رہا ہوں — ورنہ اس قسم کے ڈاکٹر تو شہر میں نہ جانے کتنے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے —

"لیکن ڈاکٹر مونٹانا کو تو سو روپے روزانہ فیس دینا ہوگی۔"

"پروا نہ کرو — تم آج شام اسی وقت وہاں جاؤ گے، جس وقت کل گئے تھے — میں اس دوران میں سیٹھ ارسلان سے ملاقات کروں گا۔"

"جی بہت بہتر — ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔"

"سو روپے کے دو نوٹ اپنی امّی سے لے لینا ۔"

"یعنی کل والا بھی ۔" آفتاب بولا ۔

"ہاں، میں ڈاکٹر مونٹانا میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہا ہوں ۔" انہوں نے پُر اسرار انداز میں کہا ۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی ۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا نے ریسیور اُٹھا کر کان سے لگایا ۔۔۔ دوسری طرف سے کسی نے کہا :

"ہیلو انسپکٹر کامران مرزا ۔۔۔ یہ آپ ہی ہیں نا ؟"

"جی ہاں، آپ کون ہیں ؟"

"ایک مظلوم ۔۔۔ آپ نے آج کے اخبار میں سیٹھ ارسلان والی خبر تو پڑھی ہوگی ۔"

"جی ہاں، پڑھ چکا ہوں ۔" انہوں نے جلدی سے کہا ۔

"تو پھر مجھے بھی اس قسم کے دو خط مل چکے ہیں ، گویا آج تیسرا ابھی ملنے والا ہے ۔" اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا ۔

"کیا آپ سے بھی گرجے کے لیے چندے کا مطالبہ کیا گیا ہے ؟"

"جی نہیں، مجھ سے ایک مسجد کی تعمیر کے لیے بیس ہزار روپے مانگے گئے ہیں اور ادا نہ کرنے کی صورت میں ایک لاکھ روپے کے نقصان کی دھمکی دی گئی ہے ۔"

"اوہ، آپ نے اپنا نام اب تک نہیں بتایا ۔"

"مجھے سلیمان کابوسی کہتے ہیں ۔"

"اوہو، آپ تو بہت مشہور آدمی ہیں ۔۔۔ موٹر سائیکلوں کے ڈیلر ہیں نا آپ ۔"

"آپ ٹھیک سمجھے ۔" اس نے جلدی سے کہا ۔

"آپ کے پاس دونوں خط محفوظ ہیں یا پھاڑ کر پھینک چکے ہیں ؟"

"دونوں محفوظ ہیں ۔"

"اپنا پتا لکھوائیے ۔۔۔ میں آپ سے اسی وقت ملوں گا اور ان خطوط کا معائنہ کروں گا ۔"

"جی بہتر ۔۔۔ میں ۱۱۳ طاؤس روڈ پر رہتا ہوں ۔" اس نے کہا ۔

"اچھی بات ہے، میں آ رہا ہوں ۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑے ۔

"شاید اس بار ہمارا واسطہ کسی دیوانے آدمی سے پڑ گیا ہے ۔ وہ لوگوں کو زبردستی گرجوں اور مسجدوں کے لیے چندہ دینے پر مجبور کر رہا ہے ۔۔۔ آخر اس سے اُسے کیا فائدہ ہو سکتا ہے ۔۔۔ یہ نیک کام تو گنا نہیں جا سکتا ۔۔۔ اس طرح اس کی ذات کو بھی کچھ نہیں مل سکتا ۔۔۔ پہلے تو میں یہ سمجھا تھا کہ شاید کسی ایک گرجے کے لیے امدادی رقوم اس طریقے سے جمع کر رہا ہے اور گرجا تعمیر کرنے کا ذمہ دار ہی یہ حرکات کر رہا ہے، لیکن اب ہم کیا رائے قائم کریں ۔۔۔ وہ تو گرجے کے ساتھ ساتھ مسجد کے لیے بھی چندہ جمع کر رہا ہے ۔" انسپکٹر

کامران مرزا کہتے چلے گئے ۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے ابا جان، گرجا اور مسجد ایک ہی آدمی بنوا رہا ہو اور اس قسم کی رقمیں وہ اکیلا ہی وصول کر رہا ہو۔" آفتاب نے خیال ظاہر کیا۔

"خیر، میں ان دونوں سے ملوں گا اور دیکھوں گا کہ یہ کیا چکر ہے — وہ کون ہے جسے مسجدوں اور گرجوں کا اتنا خیال ستا رہا ہے۔" انہوں نے کہا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"گویا آپ اس وقت موٹر سائیکلوں کے ڈیلر سے ملنے جا رہے ہیں — کیا نام بتایا تھا اس نے اپنا؟" آصف نے پوچھا۔

"سلیمان کابوسی۔"

"تو پھر ہمیں بھی ساتھ لے چلیے۔"

"کیوں، آج تمہیں سکول نہیں جانا۔"

"جی نہیں، آج سکول بیمار ہے۔" آفتاب نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔

"سکول بیمار ہے، کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ سکول کی عمارت زیرِ مرمت ہے — کل اس کی ایک دیوار گر گئی تھی - ماہرِ تعمیرات نے آ کر سکول کا معائنہ کیا اور اس کے کچھ حصوں کی مرمت کرانے کا حکم دیا ہے — کسی متبادل جگہ کا چونکہ بندوبست نہیں ہو سکا، اس لیے سکول چند دن کے لیے بند رہے گا —

مرمت کا کام ہوتا رہے گا۔"

"تو یوں کہو، بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔" وہ مسکرائے۔

"اول تو ابا جان ہم بلّی ہیں نہیں اور اگر ہیں بھی تو جمع کا صیغہ استعمال کریں، کیونکہ ہم دو ہیں اور وہ بھی بلیاں نہیں، بلّے — گویا آپ جملہ اس طرح کہہ سکتے ہیں، بلّوں کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔"

"توبہ ہے تم سے، ہر بات کے پیچھے پڑ جاتے ہو۔" شہناز بیگم نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیا۔

"شکر ہے امی جان، آپ بھی کچھ بولیں تو سہی؛ ورنہ میں تو سمجھا تھا، آپ نے نہ بولنے کی قسم کھالی ہے۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"بھئی میں جانے کے لیے بالکل تیار ہوں — اگر تم دونوں کا یہیں بیٹھ کر باتیں بگھارنے کا پروگرام ہو تو میں چلا —"

"نہیں انکل، ہم بھی چلتے ہیں، کیونکہ اگر ہم باتیں بگھارنے لگ گئے تو آنٹی دال کس طرح بگھاریں گی۔"

"لیکن آج تو دال کا پروگرام ہے ہی نہیں۔" شہناز بیگم بول پڑیں اور وہ قہقہہ لگاتے ہوئے گھر سے نکل پڑے۔

۱۱۳ طاؤس روڈ کے سامنے انہوں نے جیپ روک لی — انسپکٹر کامران مرزا نے دروازے پر لگا گھنٹی کا بٹن دبا دیا — دروازہ فوراً ہی کھلا اور ایک ادھیڑ عمر کے ملازم کی شکل نظر آئی:

"آپ انسپکٹر کامران مرزا ہیں؟"

"خیال تو یہی ہے۔" وہ مسکرائے۔

"تو پھر اندر تشریف لے آئیے۔ سیٹھ صاحب بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے پہلے ہی دروازے کے پاس موجود رہنے کا حکم دے دیا تھا۔"

وہ ملازم کے ساتھ ایک بہترین طرز پر سجے ڈرائنگ روم میں آئے، یہاں ایک چھوٹے سے قد کا موٹا آدمی بیٹھا تھا۔ اس کا رنگ سیاہی مائل تھا۔ سر انڈے کے چھلکے کی طرح صاف تھا، یعنی ایک بال بھی نہیں تھا۔ آنکھیں بالکل گول تھیں جیسی اُلّو کی ہوتی ہیں۔ ناک بہت موٹی تھی۔ انہیں دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چند قدم آگے بڑھ کر انسپکٹر کامران مرزا سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا:

"میں آپ کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔"

"کوئی بات نہیں جناب۔" وہ بولے۔ ان کے بعد اس نے آفتاب اور آصف سے بھی ہاتھ ملایا۔ جب چاروں اطمینان سے بیٹھ گئے تو سلیمان کابوسی نے میز پر رکھے دو خط اٹھا کر ان کی طرف بڑھا دیے۔ انہوں نے دونوں خط پڑھے۔ تحریر کے الفاظ کو غور سے دیکھا اور پھر بولے:

"اب آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں۔ ظاہر ہے، میں یہی چاہوں گا کہ بیس ہزار روپے چندہ

بھی نہ دوں اور میرا ایک لاکھ روپے کا نقصان بھی نہ ہو۔ دیکھیے نا، مسجد وغیرہ کے لیے چندہ دینا تو اپنی مرضی سے ہوتا ہے، اس طرح زبردستی چندہ دینے کا مجھے کیا ثواب ہوگا۔" سلیمان کابوسی نے کہا۔

"چندہ دینے کا کوئی فائدہ ہوگا یا نہیں، آپ کا ایک لاکھ روپے کا نقصان تو نہیں ہوگا نا۔"

"تو کیا آپ بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکیں گے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"یہ بعد کی بات ہے۔ ابھی کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"پھر آپ ہی بتائیے۔ میں کیا کروں۔"

"جو آپ کا جی چاہے وہ کریں۔ پولیس کی مدد بھی حاصل کر لیں۔ دراصل ابھی ہمیں یہ معلوم نہیں کہ آپ کا نقصان کس طرح کیا جائے گا؛ تاہم میں آپ سے یہ کہوں گا کہ تیسرا خط ملنے کے بعد آپ اپنی کوئی کار گیراج سے باہر نہ نکالیں، کوئی کاروباری بات چیت نہ کریں، کوئی سودا نہ بیچیں نہ خریدیں۔ گھر میں نقدی نہ رکھیں۔ اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ آپ چندہ دے دیں۔"

"یہ۔ یہ آپ کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں، اس لیے کہ ہم بعد میں آپ کے بیس ہزار روپے واپس حاصل کر لیں گے، لیکن اگر آپ کا ایک لاکھ روپے کا کوئی

نقصان کر دیا گیا تو اسے پورا نہیں کیا جا سکے گا۔ جیسا کہ سیٹھ
ارسلان کی کار تباہ کر دی گئی۔"

"نہیں نہیں، میں بیس ہزار روپے نہیں دے سکتا۔۔۔ وہ
لوگ تو میرا روپیہ فوراً مسجد میں لگا دیں گے، پھر آپ مجھے واپس
کس طرح دلائیں گے؟"

"اگر اس سارے چکر کے چلانے میں کوئی مجرمانہ ذہن کام کر
رہا ہے تو کسی نہ کسی طرح اس قسم کی رقوم اس تک پہنچ جائیں گی۔
ہم تفتیش کے ذریعے اس تک پہنچیں گے اور وہ رقوم حاصل کر لیں گے۔"

"لیکن میرا دل نہیں مانتا۔"

"تب پھر آپ وہی کریں جو آپ کا دل کہتا ہے۔ یہ دونوں
خطوط میرے پاس رہنے دیجیے اور جونہی آپ کو تیسرا خط ملے، مجھے
فون کر دیجیے۔۔۔ ساتھ ہی پولیس سے بھی رابطہ قائم کر لیں۔"

"بہت اچھا۔۔۔ میں یہی کروں گا۔"

"وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔ سلیمان کابوسی سے ہاتھ ملا کر باہر
آ گئے:

"یہ سیٹھ لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں۔۔۔ لکھ پتی ہوتے ہوئے
دس بیس ہزار روپے خدا کے راستے پر نہیں لگا سکتے۔۔۔ یوں چاہیے
سارا کاروبار ہی تباہ ہو جائے۔"

"اس طرح تو اس بار ہمارا واسطہ بہت نیک مجرم سے پڑا ہے۔"

آفتاب نے ہنس کر کہا: "کیونکہ یہ مجرم کنجوس سیٹھوں سے مسجدوں
اور گرجوں وغیرہ کے لیے چندے وغیرہ وصول کر رہا ہے۔"

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے انکل؟"

"میں دفتر جاؤں گا، تم سیدھے گھر جاؤ۔۔۔ شام کو تم دونوں
ڈاکٹر مونٹانا کے کلینک جاؤ گے۔۔۔ اس سے پہلے کوئی خاص بات
ہو تو مجھے دفتر فون کر سکتے ہو، بلکہ میں ذرا سیٹھ ارسلان سے بھی
مل لوں۔۔۔ اگرچہ اس سے کوئی خاص بات معلوم ہونے کی امید نہیں۔"

"جی اچھا۔۔۔"

سیٹھ ارسلان سے مل کر وہ دفتر پہنچے۔۔۔ ابھی ایک گھنٹا بھی نہیں
ہوا تھا کہ سلیمان کابوسی کا فون موصول ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا:

"ہیلو، انسپکٹر صاحب، میں سلیمان کابوسی بول رہا ہوں۔ اس
کا تیسرا خط بھی مل گیا ہے۔۔۔ اس نے آج دوپہر تک چندہ جمع
کرنے کی مہلت دی ہے۔"

"ہوں، اب آپ پولیس کو فون کر دیں۔۔۔ میں بھی دفتر سے
چھٹی کر کے آپ کے ہاں سے ہوتا جاؤں گا۔"

"بہت بہت شکریہ جناب۔۔۔" اس نے تھر تھر کانپتے لہجے میں
کہا۔۔۔ اور انسپکٹر کامران مرزا نے مسکرا کر ریسیور رکھ دیا۔۔۔ عین اسی
وقت آئی جی صاحب کا چپراسی ان کے کمرے میں داخل ہوا اور بولا:

"صاحب آپ کو یاد کر رہے ہیں۔"

"اچھی بات ہے —" یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

آئی جی صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے تو ان کے چہرے پر فکر اور پریشانی کے آثار جھلک رہے تھے — ان کے سامنے ایک کرسی پر ایک لمبا چوڑا آدمی بیٹھا تھا — اس کی پیشانی پر بھی بل پڑے ہوئے تھے —

"آؤ کامران مرزا بیٹھو — یہ میرے بہنوئی آزاد خان ہیں — انہیں ایک گمنام خط ملا ہے — اس قسم کے خطوط کا آج کے اخبارات میں بھی ذکر ہے — اسی لیے یہ پریشان ہو کر میرے پاس آئے ہیں، ورنہ کل تو انہوں نے خط پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔"

"خط مجھے دکھائیے۔" انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

آزاد خان نے خط ان کی طرف بڑھا دیا — انہوں نے کھول کر پڑھا — الفاظ تقریباً وہی تھے۔ تحریر بھی وہی تھی۔ آزاد خان سے صرف پچاس ہزار روپے چندہ دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا اور یہ چندہ ایک یتیم خانے کو دیا جانا تھا۔ نہ دینے کی صورت میں انہیں صرف دو لاکھ روپے کے نقصان کی دھمکی دی گئی تھی — انسپکٹر کامران مرزا یہ خط پڑھ کر سناٹے میں آ گئے — اس وقت تک انہوں نے اس معاملے کو اتنی سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ انہوں نے یہی خیال کیا تھا کہ یہ ضرور کسی شرارتی ذہن کا کام ہے، لیکن وہ شرارتی ذہن اب پچاس ہزار چندے اور دو لاکھ کے نقصان پر اُتر

آیا تھا اور آئی جی صاحب کے رشتے داروں تک پہنچ گیا تھا — اس صورت میں تو تمام دولت مند لوگوں میں کھلبلی مچنے کا امکان پیدا ہو گیا تھا —

"کیا سوچ رہے ہو بھئی؟" آئی جی صاحب حیران ہو کر بولے۔

"اس وقت تک تین آدمیوں کو ایسے خطوط مل چکے ہیں — سب سے زیادہ مطالبہ ان سے کیا گیا ہے — میں سوچ یہ رہا ہوں کہ یہ چکر کیا ہے — آخر یہ کون شخص ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اسے ان حرکات سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"ہوں، کیا تم ان دو سے بھی مل چکے ہو؟"

"ان میں سے ایک سے مل چکا ہوں۔ اس کا نام سلیمان کابوسی ہے۔ اس سے بھی پہلے سیٹھ ارسلان کے بارے میں تو اخبار میں بھی شائع ہو چکا ہے — اس کی کار کے ایک پہیے کے نٹ ڈھیلے کر دیے گئے تھے۔"

"اوہ، کیا تم ان دینی اور فلاحی اداروں کی تعمیر کے ذمے دار لوگوں سے مل چکے ہو؟"

"جی نہیں، یہ آج شام کا پروگرام تھا میرا — لیکن موجودہ حالات میں مجھے فوری طور پر اس کیس پر کام شروع کرنا پڑے گا۔"

"ہاں، میں بھی یہی چاہتا ہوں — اب آزاد خان کو بتاؤ، یہ

کیا کریں —"

"ابھی انہیں پہلا خط ملا ہے — دوسرا خط ملنے پر یہ مجھے فون کر دیں اور پھر تیسرا خط ملنے پر بھی — آپ پولیس کا پہرہ ان کے گھر پر لگوا دیں — ابھی ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ سلیمان کا بوسی کا ایک لاکھ روپے کا نقصان کس طرح ہوتا ہے"

"اچھی بات ہے — جلد از جلد اس شخص کو گرفتار کرنے کی کوشش کرو؛ ورنہ پورے شہر میں ہل چل مچ جائے گی"

"آپ فکر نہ کریں، میں کوئی کوتاہی نہیں ہونے دوں گا"

یہ کہہ کر وہ ان سے رخصت ہوئے اور انسپکٹر شاہد کو ساتھ لے کر اس گرجے پہنچے، جس کی تعمیر کے سلسلے میں سیٹھ ارسلان کو دس ہزار روپے چندہ دینے کی ہدایت کی گئی تھی اور چندہ نہ دینے کی وجہ سے اس کی کار کو تباہ کر دیا گیا تھا — انہوں نے دیکھا، گرجا کا ابھی بہت تھوڑا سا حصہ تعمیر ہوا تھا — ٹھیکیدار سے معلوم کرنے پر وہ اس آدمی تک پہنچ گئے جو یہ کام کرا رہا تھا — یہ ایک نوجوان آدمی تھا۔ آنکھوں پر سنہری فریم کا چشمہ تھا — انسپکٹر کامران مرزا نے اپنا تعارف کرایا تو وہ بہت حیران ہوا:

"آپ نے آج کے اخبار میں سیٹھ ارسلان والی خبر تو پڑھ لی ہو گی —"

"جی ہاں" اس نے ہکلا کر کہا۔

"آپ کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے، کہیں یہ خطوط آپ نے تو نہیں لکھے؟"

"جی، جی نہیں — بھلا مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی، گرجے کا کام بخیر و خوبی ہو رہا ہے — مخیر حضرات دل کھول کر چندہ دے رہے ہیں اور مجھے اس کی تعمیر کے سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں" اس نے کہا۔

"تب پھر یہ کام کس کا ہو سکتا ہے — آخر کسی کو کیا پڑی ہے کہ آپ کے گرجے کے لیے سیٹھ ارسلان کو ایسے خط لکھتا اور پھر اس کی کار میں خرابی پیدا کرنے کا خطرہ مول لیتا۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرتے وقت وہ گرفتار بھی ہو سکتا تھا"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں جناب، خدا جانے یہ کس کا کام ہے؟"

"اچھا، آپ حلفیہ بیان لکھ دیں کہ یہ کام آپ کا نہیں"

"جی بہت بہتر —" اس نے کہا اور بیان لکھ دیا — انہوں نے کاغذ تہ کر کے جیب میں رکھا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ارے ہاں، میں نے آپ کا نام تو پوچھا ہی نہیں —"

"مجھے سرور حمید کہتے ہیں —" اس نے کہا۔

دونوں باہر آئے — انسپکٹر کامران مرزا اس کا حلفیہ بیان نکال کر دھمکی آمیز خطوط سے ملانے لگے — تحریریں بالکل مختلف تھیں —

"اس کا مطلب ہے، یہ خطوط کم از کم اس نوجوان نے نہیں لکھے"

وہ بڑبڑائے —

اب ان کا رخ اس مسجد کی طرف تھا، جس کے لیے چندہ دینے کی دھمکی سلیمان کابوسی کو دی گئی تھی — یہاں ایک مولانا سے ملاقات ہوئی —

"آپ نے آج کے اخبار میں سیٹھ ارسلان والی خبر پڑھی ....؟"

"جی ہاں، آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس نے کہا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے جیب سے وہ دو خط نکال کر اس کے سامنے رکھ دیے جو سلیمان کابوسی کو ملے تھے — مولانا نے دونوں خط پڑھے اور پھر اس کا چہرہ سفید پڑ گیا —

"یہ — یہ خط میں نے نہیں لکھے — میں قسم کھاتا ہوں۔ مسجد کی تعمیر کے لیے لوگ چندہ دے ہی رہے ہیں — یہ کام خدا کی رضا کے لیے کیا جا رہا ہے۔ اس میں زبردستی نہیں کی جا سکتی۔" اس نے جلدی جلدی کہا —

"ہوں — اچھا — آپ حلفیہ بیان لکھ دیں کہ یہ خط آپ نے نہیں لکھے —"

اس نے بھی حلفیہ بیان لکھ دیا — نیچے اپنا نام مولانا ظفر لکھا۔

دونوں باہر نکلے۔ مولانا ظفر کی تحریر بھی اس خط سے نہیں ملتی تھی —

"لگے ہاتھوں یتیم خانے کے مینجر سے بھی مل لیتے ہیں۔" انہوں نے اکتا کر کہا۔

مینجر سے مل کر بھی کچھ حاصل نہیں ہوا — ڈھاک کے وہی تین پات رہے —

"بھئی شاہد، اب کیا کریں — تفتیش کا تو ہر راستہ بند ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے یتیم خانے سے باہر آتے ہوئے کہا —

"اب اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی پاگل آدمی کا کام ہے۔" شاہد نے جھنجلاتے ہوئے لہجے میں کہا —

"لیکن ایک پاگل آدمی اتنی ہوشیاری سے کسی کی کار تباہ کرنے کا منصوبہ کس طرح بنا سکتا ہے؟" انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"تب پھر آخر، وہ چاہتا کیا ہے — ان حرکات سے تو کسی طرح بھی اسے کوئی فائدہ پہنچتا نظر نہیں آتا؟" شاہد نے سوال کیا —

"ہو سکتا ہے، فائدہ حاصل کرنے کی بجائے اس کا مقصد کچھ اور ہو — ٹھہرو، ذرا میں سلیمان کابوسی کو فون کر لوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ دواؤں کی ایک دکان کی طرف بڑھ گئے — انہوں نے سلیمان کابوسی کے نمبر گھمائے — سلسلہ جلد ہی مل گیا —

"ہیلو، کون صاحب؟" دوسری طرف سے سلیمان کی آواز سنائی دی۔

"میں کامران مرزا بول رہا ہوں — کہیے، کوئی نئی خبر؟"

"مجھے تیسرا خط بھی مل چکا ہے اور اب میں بہت پریشان ہوں۔ خدا جانے وہ کس طرح میرا نقصان کرنے کی سوچ چکا ہے۔" سلیمان نے بوکھلاتے ہوئے لہجے میں بتایا —

"کیا آپ پولیس کو فون کر چکے ہیں؟"

"جی ہاں، پولیس تو میری کوٹھی میں آئی بیٹھی ہے — لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کیا کر سکے گی۔"

"اچھا، میں آ رہا ہوں — آپ فکر نہ کریں۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور شاہد کے پاس آئے —

"لو بھئی، سلیمان کابوسی کو تیسرا خط بھی مل چکا ہے۔ ہم وہیں چل رہے ہیں — شاید وہیں کوئی سراغ ہاتھ لگ جائے۔"

"چلیے اس بار عجیب بے تکے کیس سے واسطہ پڑا ہے۔" شاہد نے اُکتا کر کہا۔

دونوں سلیمان کابوسی کی کوٹھی پر پہنچے ہی تھے کہ اندر سے بہت سے لوگ گھبرائے ہوئے انداز میں نکلتے نظر آئے — ان میں پولیس والے بھی تھے —

اُس کا فون

آفتاب اور آصف ڈاکٹر مونٹانا کے مطب کے سامنے پہنچے — انہوں نے دیکھا آج بھی کل جتنی بھیڑ لگی تھی —

"لو یار، پھر لائن میں لگنا پڑے گا۔" آصف نے منہ بنایا۔

"بھائی کامیاب ڈاکٹروں کی نشانی یہی ہے کہ ان کے مطب میں رش بہت ہوتا ہے۔" آفتاب نے مسکرا کر کہا —

"مجھے تو حیرت ہے کہ تمہارے ساتھ انکل بھی تو تمہارا علاج کرانے پر تل گئے ہیں۔"

"تم ابھی بچے ہو، سراغرسانی کو کیا جانو۔" آفتاب مسکرایا۔

دونوں لائن میں لگ گئے — لائن کیڑی کی رفتار سے آگے کھسکتی رہی — آخر خدا خدا کر کے ان کی باری آئی۔ پہلے وہ اسی عورت کے سامنے پیش ہوئے —

"آپ لوگ شاید کل بھی آئے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"اس کا مطلب ہے، آپ نے ڈاکٹر صاحب سے باقاعدہ علاج
کرانا منظور کر لیا ہے۔"

"جی ہاں۔" آفتاب نے کہا —

"اچھا تو سو روپے پہلے دن کی فیس ادا کر دیں۔"

آفتاب نے سو روپے کا نوٹ اسے دے دیا — اُس نے
پرچی بنا کر اسے دے دی اور پھر وہ سرخ بلب جلنے پر اندر
داخل ہوئے —

"ہیلو، تم وہی ہو نا، ڈراؤنے خوابوں والے۔" کمرے میں
آواز گونجی —

"جی ہاں، آپ کی یادداشت ٹھیک ہے۔"

"بہت خوب — اب میں باقاعدہ تمہارا علاج کروں گا۔" اس
کے ان الفاظ کے ساتھ ہی کمرے کا بلب بجھ گیا اور وہی سفید روشنی
کمرے میں پھیل گئی — ساتھ ہی انہیں ٹھنڈک کا احساس ہونے لگا —

"کیا علاج میں یہ روشنی ضروری ہے؟" آفتاب نے پریشان
ہو کر کہا —

"ہاں، اس کے بغیر علاج ناممکن ہے۔"

"لیکن اس روشنی میں تو سردی بہت لگتی ہے۔"

"فکر نہ کرو، یہ سردی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی —
ہاں تو تمہیں ڈراؤنے خواب دکھائی دیتے ہیں اور تم ڈر جاتے ہو۔"

"جی ہاں یہی بات ہے۔"

"تمہارا نام؟"

"آفتاب احمد۔"

"باپ کا نام؟"

"کامران مرزا۔" آفتاب نے جواب میں کہا۔

"یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ تم تنہا کیوں نہیں آتے؟"
آواز نے پوچھا۔

"یہ میرا دوست ہے — میں جہاں بھی جاتا ہوں، اس کے
ساتھ جاتا ہوں — کیا آپ کو اس کی موجودگی پر اعتراض ہے؟"

"نہیں، اعتراض تو نہیں، لیکن بہتر تھا کہ تم اسے باہر چھوڑ
آتے۔"

"خیر، کل سے میں اسے باہر چھوڑ آیا کروں گا۔ آج میرے
ساتھ رہنے دیں۔"

"اچھی بات ہے، اب تمہارا علاج شروع ہوتا ہے — میری
باتوں کو غور سے سُنو — تمہارا ہاضمہ خراب رہتا ہے — رات کو تم
پیٹ بہت زیادہ بھر لیتے ہو — آئندہ تم پیٹ بھر کر کبھی کھانا نہیں
کھاؤ گے — رہی تمہارے ہاضمے کی بات تو اسے میں اپنے علاج
سے درست کروں گا اور ایسا درست کروں گا کہ پھر زندگی میں
کبھی خراب نہیں ہو گا۔"

اچانک آفتاب نے محسوس کیا کہ اُسے بہت زور کی نیند آ رہی ہے — اس نے بوکھلا کر آصف کی طرف دیکھا — اس کی پلکیں بھی نیند سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں، اس نے کچھ کہنا چاہا، لیکن زبان بھی اس کا ساتھ نہ دے سکی۔ ڈاکٹر مونٹانا اب تک کچھ کہہ رہا تھا، لیکن اب اس کے الفاظ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے اور پھر آواز آنا ہی بند ہو گئی — ان کی گردنیں ڈھلک گئیں — ٹھوڑیاں سینوں سے آ لگیں — دوبارہ آنکھ کھلی تو ڈاکٹر کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی — وہ کہہ رہا تھا:

"ارے بھئی، یہ کیا — تم یہاں علاج کروانے آئے ہو یا سونے، میری باتوں کو غور سے نہیں سنو گے تو علاج کیسے ہو گا، خیر آج کے لیے اتنی ہی خوراک کافی ہے — اب تم دونوں جا سکتے ہو۔ کل پھر آؤ گے — دوسری خوراک تمہیں کل دی جائے گی۔"

"بہت بہتر ڈاکٹر" آفتاب نے لڑکھڑاتی زبان میں کہا۔ پھر وہ اُٹھ کھڑا ہوا — آصف نے بھی اس کا ساتھ دیا — دونوں پچھلے دروازے سے نکل کر پتلی سی گلی میں آ گئے۔ گلی سے نکل کر انہوں نے چکر لگایا اور پھر مطب کے دروازے پر آ گئے — یہاں بھیڑ جوں کی توں موجود تھی۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تھی — اچانک ایک آدمی کو انہوں نے لائن کے برابر سے گزر کر اندر جاتے دیکھا — ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سیدھا اندر چلا گیا — دوسرے بھی اسے دیکھتے رہ گئے — کئی ایک بطور

احتجاج چلائے بھی، کہ یہ کیا — لائن میں لگیے، لیکن اندر موجود عورت نے بلند آواز میں کہا:

"یہ مریض نہیں ہیں — مطب کے عملے سے تعلق رکھتے ہیں۔"

اس عورت کے یہ الفاظ سن کر آفتاب اور آصف دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — انہوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا — بات حد درجے عجیب تھی — سیدھا اندر جانے والا وہی نوجوان تھا، جس کی سفید کار ان کے اور سیٹھ ارسلان کی کار کے درمیان آ گئی تھی اور انہوں نے پہلے اسی کو روک لیا تھا۔ اس کی آنکھوں پر اس وقت بھی سنہری فریم کی عینک تھی —

"کیا ہوا جناب، خیریت تو ہے — آپ لوگ اس طرح کہاں جا رہے ہیں" انسپکٹر کامران مرزا نے انہیں مخاطب کیا۔ ان میں سب سے آگے سلیمان کابوسی تھا —

"ابھی ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ شہر کے جنوبی سرے پر جو میری کوٹھی ہے، اس میں آگ لگ گئی ہے" اس نے بتایا۔

"اوہ" ان کے منہ سے نکلا: "تو آپ وہاں جا رہے ہیں"

"جی ہاں، ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں —

"کیا فائر بریگیڈ کو فون کر دیا گیا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"مجھ سے پہلے ہی کوئی فون کر چکا تھا۔ میرے فون پر انہوں نے بتایا کہ آگ بجھانے والی گاڑیاں روانہ کر دی گئی ہیں۔"

"تو پھر چلیے ۔۔ ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہی چلتے ہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے ۔۔

وہ سلیمان کابوسی کی کار کے پیچھے چلتے ہوئے شہر کے جنوبی سرے پر پہنچے ۔۔ دور سے ہی انہوں نے دیکھ لیا کہ ایک عمارت دھڑا دھڑ جل رہی تھی اور فائر بریگیڈ والے آگ بجھانے کی اپنی سی کوشش کر رہے تھے ۔۔ سلیمان کابوسی نزدیک پہنچ کر کار سے اُتر آیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے جلتی ہوئی کوٹھی کو دیکھنے لگا ۔۔

"سیٹھ صاحب، یہ کوٹھی کتنی مالیت کی تھی؟"

"تقریباً پانچ لاکھ کی ۔۔" اس نے کہا۔

"کیا یہ آپ نے کرائے پر دے رکھی تھی؟"

"جی نہیں، ابھی ابھی تیار ہوئی تھی، بلکہ ابھی کچھ چیزوں کی فٹنگ باقی تھی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نامعلوم آدمی نے آپ کو اپنی دھمکی سے کہیں زیادہ نقصان پہنچا دیا ہے۔"

"ہاں، میرے پانچ لاکھ ڈوب گئے۔"

"ہمیں بہت افسوس ہے سیٹھ صاحب کہ کچھ نہ کیا جا سکا۔"

"اس میں آپ کا کیا قصور؟" یہ کہہ کر سیٹھ صاحب آگے بڑھ گئے۔

"آؤ بھئی شاہد، واپس چلیں ۔۔ اب ہمارا یہاں کوئی کام نہیں رہ گیا ۔۔ ہمیں جلد از جلد آزاد خان کو بچانے کی کوشش کرنا ہے۔"

آدھ گھنٹے بعد وہ آزاد خان کے دروازے کی گھنٹی بجا رہے تھے۔ دروازہ خود آزاد خان نے کھولا اور انہیں دیکھ کر حیران رہ گیا ۔۔

"خیر تو ہے جناب، آپ کا تو آنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔"

"آپ سنائیے، آپ کو دوسرا خط تو نہیں ملا۔"

"جی ہاں، مل چکا ہے۔"

"ہوں، ابھی ابھی ایک اور حادثہ ہو گیا ہے اور ہمارے یہاں آنے کی وجہ بھی یہی ہے۔"

"کیسا حادثہ؟" آزاد خان نے چونک کر کہا۔

انہوں نے سلیمان کابوسی کی کوٹھی میں آگ لگنے کے بارے میں بتا دیا ۔۔ آزاد خان کا چہرہ سفید پڑ گیا ۔۔

"اب آپ بتائیے، شہر میں آپ کی کتنی کوٹھیاں ہیں؟"

"کوٹھیاں تو بس دو ہی ہیں ۔۔ ایک یہ، دوسری کرائے پر دے رکھی ہے۔ اس کے علاوہ شکر سازی کا ایک چھوٹا سا کارخانہ ہے۔ جس کی مالیت تقریباً پندرہ لاکھ روپے ہے۔" اس نے بتایا۔

"اس کوٹھی اور کارخانے کے علاوہ کوئی اور چیز؟" انہوں

نے پوچھا —

"جی نہیں ایسی اور کوئی چیز نہیں"

"اس کا مطلب ہے، ہمیں صرف ان دو چیزوں کی حفاظت کے انتظامات کرنے ہوں گے — خیر، ابھی تو آپ کو صرف ایک خط ملا ہے، پہلے دوسرا تو مل لے — ویسے خانصاحب میں آپ کو بھی مشورہ دوں گا کہ آپ اس شخص کا مطالبہ مان ہی لیں اور یتیم خانے کو چندہ دے دیں"

"لیکن جناب پچاس ہزار روپے کا چندہ — یہ کس قدر بے تکا مطالبہ ہے"

"لیکن یہ دو لاکھ کے نقصان سے تو بہتر رہے گا"

"آپ لوگوں کے ہوتے ہوئے نقصان ہو کیوں — پھر آپ کا کیا فائدہ ہے؟"

"خیر، جیسے آپ کی مرضی — میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ آپ کا کوئی نقصان نہ ہونے پائے — آگے جو خدا کو منظور"

یہ کہہ کر انہوں نے دو تین فون کیے — آزاد خان سے کارخانے کا نام پتا بھی پوچھا، پھر بولے:

"آپ کی کوٹھی اور کارخانے کی حفاظت کے لیے ابھی سے پولیس کو مقرر کیا جا رہا ہے — آپ بھی چوکس رہیں - جونہی تیسرا خط ملے، مجھے فون کر دیں — تیسرا خط ملتے ہی میں بھی یہاں آجاؤں گا"

"بہت بہتر" اس نے کہا۔

ابھی وہ وہاں سے رخصت ہونے کے لیے مڑے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی — آزاد خان نے فوراً ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے نہ جانے کیا کہا گیا کہ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — پھر اس نے تھکے تھکے انداز میں ریسیور رکھ دیا —

"کیا بات ہے جناب، خیر تو ہے — کس کا فون تھا"

"انہی خطوط لکھنے والے کا" آزاد خان کی آواز انہیں دور کسی کنویں سے آتی محسوس ہوئی —

"اوہ، کیا کہا اس نے؟"

"اس نے کہا ہے، میں کسی کی بھی مدد لے لوں، مطالبہ پورا نہ کرنے کی صورت میں نقصان ضرور اٹھانا پڑے گا، اسے لکھ لوں کہ انسپکٹر کامران مرزا تو کیا اس کے بڑے بھی مجھے نقصان سے نہیں بچا سکیں گے —"

"اس نے میرا نام لے کر کہا تھا؟" انسپکٹر کامران مرزا حیران ہو کر بولے —

"جی ہاں" اس نے کہا اور وہ حیرت زدہ سے کھڑے رہ گئے۔

نئی مصیبت

"یار آصف، کیا میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں؟" آفتاب کے منہ سے سرسراہٹ زدہ آواز میں نکلا — نظریں ابھی تک اس سمت میں ہی جمی تھیں، جس طرف نوجوان گیا تھا —

"کھانے دو دھوکا، تمہارا کیا جاتا ہے۔" آصف نے بے خیالی میں کہا —

"کیا کہہ رہے ہو، کیا تم نے اس نوجوان کو نہیں دیکھا — میں کہتا ہوں کہ یہ وہی سفید کار والا تھا جو ہماری ٹیکسی اور سیٹھ ارسلان کی کار کے درمیان آ گیا تھا — اگر یہ درمیان میں نہ آ جاتا تو شاید ہم سیٹھ ارسلان کی کار کو بچا لیتے۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ یہ نوجوان وہ نہیں ہے یا یہ ضرور وہی ہے۔ لیکن یہ ایک اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کی کار درمیان میں آ گئی۔" آصف نے کہا —

"اگر یہ ایک اتفاق تھا تو پھر بہت حیرت انگیز اتفاق تھا۔ سوال

یہ ہے کہ یہ یہاں کیا کرنے آیا ہے — کلرک عورت نے سب کو یہ بتایا ہے کہ وہ عملے کا آدمی ہے؛ گویا یہ ڈاکٹر مونٹانا کا ملازم ہے بھئی، سچ بات تو یہ ہے کہ مجھے دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔"

"دال میں کالا کالا دیکھنے کی تمہیں کچھ عادت سی ہو گئی ہے۔ میں کہتا ہوں، تم دال کھاتے ہی کیوں ہو۔" آصف نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا —

"یار آصف، یہ میری بجائے آج مذاق کی تمہیں کیوں سوجھ رہی ہے۔"

"اس لیے کہ ہم زبردستی ایک کیس مول لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب کہ اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔"

"ارے، تم فکر نہ کرو — کیس ہمیں مول نہیں، بالکل مفت مل جائے گا — اب سنو، مطب کے میرے خیال میں صرف دو دروازے ہیں۔ ایک یہ اور دوسرا وہ جس سے مریضوں کو علاج کے بعد باہر نکالا جاتا ہے — تم اس دروازے پر چلے جاؤ — میں یہاں موجود رہوں گا۔"

"لیکن کیوں، اس کی کیا ضرورت ہے۔" آصف نے جھلا کر کہا۔

"یہ تم پوچھ رہے ہو، کہیں آج تمہاری عقل گھاس چرنے تو نہیں گئی ہے۔" آفتاب نے بھی منہ بنا کر کہا —

"بھئی، یہ تو میں سمجھ گیا ہوں کہ تم اس نوجوان کا تعاقب کرنا

چاہتے ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"ضرورت تو مجھے ڈاکٹر مونٹانا سے علاج کرانے کی بھی نہیں تھی، پھر ابا جان نے کیوں اس کی اجازت دے دی۔ یاد رکھو، اگر ہم نے اس نوجوان کا تعاقب نہ کیا تو ابا جان ضرور ناراض ہوں گے۔"

"اچھا بھئی، اب ڈراؤ نہیں — لو میں گلی کی طرف چلا جاتا ہوں۔"

آصف بولا اور تیز تیز قدم اٹھاتا گلی والے دروازے کی طرف چلا گیا۔

آفتاب احتیاطاً کسی قدر پیچھے ہٹ آیا، تاکہ نوجوان کو یہ شبہ نہ ہو جائے کہ وہ اس کے انتظار میں کھڑا ہے — جان لیوا انتظار بیس منٹ بعد ختم ہوا — اور آفتاب کو نوجوان کی صورت دکھائی دی — اس نے چاہا، دوڑ کر جائے اور آصف کو بلا لائے، لیکن یہ دیکھ کر ساکت رہ گیا کہ نوجوان کچھ فاصلے پر کھڑی اسی سفید کار کی طرف بڑھ رہا تھا — اب ضرورت تھی اس بات کی کہ کوئی ٹیکسی روکی جائے؛ چنانچہ اس نے سڑک پر نظریں دوڑائیں — بہت دور سڑک پر ایک ٹیکسی نظر آئی، لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ خالی ہوتی — اس نے سڑک کے دوسری طرف دیکھا، لیکن ادھر سے کوئی ٹیکسی آتی نظر نہ آئی — اسی وقت نوجوان کی کار چل پڑی۔ آفتاب بے قراری کے عالم میں ہاتھ ملنے لگا؛ تاہم اس نے سفید کار کے نمبر ضرور نوٹ کر لیے تھے — ٹیکسی نزدیک آئی تو پتا چلا، خالی تھی۔ یہ دیکھ کر آفتاب کھل اٹھا — اس نے ہاتھ کا اشارہ دے کر ٹیکسی کو روکا،

اور انتہائی پھرتی سے اس میں بیٹھتے ہوئے بولا:

"اس سفید کار کے تعاقب میں چلنا ہے — اس میں میرا ایک گم شدہ دوست جاتا نظر آیا ہے ابھی ابھی۔"

"بہت اچھا جناب، کوئی اور چکر تو نہیں ہے۔"

"نہیں، بھلا اور کیا چکر ہو سکتا ہے۔"

سفید کار کا رخ چونکہ مخالف سمت میں تھا — اس لیے آفتاب آصف کو ساتھ نہ لے سکا — ٹیکسی ڈرائیور کافی ماہر تھا — بہت جلد وہ سفید کار کے نزدیک پہنچ گیا اور اب آفتاب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے ڈرائیور سے یہ کہہ کر غلطی کی تھی کہ سفید کار میں اس کا ایک گم شدہ دوست جا رہا ہے — یہی وجہ تھی کہ ڈرائیور انتہائی تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سفید کار کے عین پیچھے پہنچ گیا — اور اس سے پہلے کہ آفتاب سنبھل سکتا، ڈرائیور سے کچھ کہہ سکتا — ڈرائیور نے گاڑی سفید کار سے آگے نکال لی اور پھر سفید کار کو رکنے کا اشارہ دے دیا — انھوں نے سفید کار کو بریک لگتے محسوس کیے — ڈرائیور نے بھی رفتار آہستہ کر لی۔ اور پھر دونوں گاڑیاں رک گئیں —

"لیجیے جناب، اپنے گم شدہ دوست سے مل لیجیے۔" ڈرائیور نے فخریہ انداز میں کہا۔

آفتاب کو اس پر بے تحاشہ غصہ آیا، لیکن اس بے چارے

کا کیا قصور تھا — غلطی اس کی اپنی تھی — مرتا کیا نہ کرتا — ٹیکسی
ڈرائیور کو بل ادا کیا اور سفید کار کی طرف بڑھ گیا — ٹیکسی واپس
مڑی اور جس طرف سے آئی تھی، اس طرف چلی گئی۔ سفید کار
والا حیرت زدہ سا اسے اپنی طرف آتے دیکھ رہا تھا —

"فرمائیے، آپ کو مجھ سے کچھ کام ہے۔"

"جی بس، کیا بتاؤں — ابھی ابھی آپ ڈاکٹر مونٹانا کے
مطب کے باہر کار میں سوار ہوئے تھے تو نہ جانے کیوں مجھے
آپ کا چہرہ جانا پہچانا لگا، مجھے یاد نہ آسکا کہ آپ کو کہاں دیکھا
ہے — ایسے موقعوں پر میں بہت زیادہ اُلجھن محسوس کرنے لگتا ہوں،
چنانچہ میں نے الجھن رفع کر لینا مناسب خیال کیا اور ٹیکسی پکڑ کر
آپ کے پیچھے یہاں تک چلا آیا — خدا بھلا کرے ڈرائیور کا، جنہوں
نے جلد ہی آپ تک پہنچا دیا — کیا آپ میری اُلجھن رفع کریں گے۔
کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے آپ کو کہاں دیکھا ہے۔" اس کا
انداز احمقانہ ہو گیا — سنہری فریم کی عینک والے نوجوان نے اسے
حیرت بھری نظروں سے دیکھا اور پھر کہنے لگا:

"آپ نے بہت عجیب بات پوچھی ہے جناب، دیکھا کہیں
مجھے آپ نے اور بتاؤں میں کہ کہاں دیکھا تھا، یہ کیا بات ہوئی۔
ویسے ایک بات ہے، چہرہ تو آپ کا بھی مجھے جانا پہچانا لگتا ہے،
ویسے میرا نام خاور شاہ ہے۔"

"لگتا ہے نا، بس تو پھر آپ ضرور بتا سکیں گے کہ ہم نے
ایک دوسرے کو کہاں دیکھا تھا۔" آفتاب نے چہک کر کہا، پھر کچھ
خیال آنے پر بولا:

"کہیں میں نے آپ کو اس سے پہلے بھی ڈاکٹر مونٹانا کے
ہاں ہی تو نہیں دیکھا، دراصل آج کل میں ان سے اپنا علاج
کرا رہا ہوں۔"

"اوہو اچھا، پھر تو عین ممکن ہے کہ میں نے آپ کو وہیں
کہیں دیکھا ہو — نوجوان نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا —

"تو کیا آپ بھی ڈاکٹر مونٹانا کے مریض ہیں؟"

"ارے نہیں بھئی، میں ان کا ملازم ہوں۔" اس نے کہا۔

"لیکن آپ تو وہاں کہیں نہیں ہوتے۔"

"دراصل میں ان کا ایجنٹ ہوں — ان کے علاج کے طریقے
کے بارے میں لوگوں کو بتاتا پھرتا ہوں — دوسرے لفظوں میں ان
کے لیے گاہک پکڑ پکڑ کر لاتا ہوں۔ دراصل آج کل ڈاکٹر صاحبان
کی دواؤں سے کسی کو بھی مستقل فائدہ نہیں ہوتا — ایک مرض شروع
ہوتا ہے تو بس پھر ساری زندگی گولیاں، کیپسول اور سیرپ استعمال
کرو۔ ورنہ مرض پھر آموجود ہوتا ہے — اس صورت حال سے لوگ
بہت تنگ آگئے ہیں — آخر کوئی کب تک دوائیں کھائے، چنانچہ
اب لوگ ایسے ڈاکٹروں سے علاج کرانا پسند کرتے ہیں جو دوائیں

سہارے سے دیتے ہی نہیں۔ نفسیاتی طریقوں سے علاج کر دیتے ہیں۔"
اس نے اچھی بھلی تقریر جھاڑ دی۔

"اوہ، تو یہ بات ہے۔ مجھے افسوس ہے، میں نے آپ کو بلاوجہ زحمت دی۔"

"ارے نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔
اس سے ہاتھ ملایا اور اپنی کار میں بیٹھنے لگا، لیکن پھر چونک کر مڑا:

"لیکن اب آپ جائیں گے کیسے — آپ کو اپنی ٹیکسی روک لینی چاہیے تھی۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں دوسری ٹیکسی پکڑ لوں گا۔"

"آپ پسند کریں تو میرے ساتھ ہی آ جائیے۔" اس نے پیشکش کی۔

"لیکن مجھے اس طرف جانا ہے۔" آفتاب نے ادھر اشارہ کیا جس طرف سے وہ آئے تھے۔

"تب تو مجبوری ہے، اچھا خدا حافظ۔" یہ کہہ اس نے ہاتھ ہلایا اور دوسرے ہی لمحے اس کی کار روانہ ہو گئی — بہت سی گرد آفتاب کے چہرے پر آ پڑی اور چند لمحوں کے لیے دھول میں اس کا چہرہ چھپ کر رہ گیا۔

"بس نکل گئی ساری جاسوسی۔" آصف کی طنزیہ آواز نے

اُسے چونکا دیا — اس نے دیکھا، آصف ایک ٹیکسی میں بیٹھا شریر انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"بھئی واہ، یہ کام دکھایا ہے تم نے۔" آفتاب کو اگرچہ اس پر غصہ آ گیا تھا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ ٹیکسی میں بیٹھا ہے تو سارا غصہ کافور ہو گیا۔ دوڑ کر ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور بولا:

"اس سفید کار کے پیچھے چلو۔"

"لیجیے، ٹیکسی میں لے کر آیا ہوں اور حکم یہ دے رہے ہیں۔" آصف نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"بھئی خاور شاہ کا تعاقب بہت ضروری ہے۔ ہمیں ہر حال میں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔"

آخر آصف کے اشارے پر ٹیکسی ڈرائیور آگے بڑھا اور تعاقب شروع ہو گیا۔

"کیا تم نے مجھے اس کے تعاقب میں روانہ ہوتے دیکھ لیا تھا؟" آفتاب نے اگلی کار پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"اگر دیکھا نہ ہوتا تو اس وقت تم اس ٹیکسی میں کیسے ہوتے، تو اس نوجوان کا نام خاور شاہ ہے۔"

"ہاں، اور یہ ڈاکٹر مونٹانا کا باقاعدہ ملازم ہے — ٹریولنگ ایجنٹ — یہ اس کے لیے گاہک تلاش کرتا ہے۔ انہیں غائبانہ طور پر ڈاکٹر مونٹانا سے متعارف کراتا ہے اور اس سے علاج

کرانے پر اکساتا ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ یہ شخص اس وقت سفید کار اور ہمارے درمیان میں کس طرح آ گیا تھا — کیا ڈاکٹر مونٹانا کا تعلق اس شخص سے بھی ہے جو دھمکیوں کے ذریعے مسجدوں اور گرجوں کو چندے دلوا رہا ہے۔" آصف بولا —

"کچھ کہا نہیں جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے، اس کی کار اتفاق سے درمیان میں آ گئی ہو۔"

"لیجیے جناب، اگلی کار ایک عمارت کے سامنے رُک رہی ہے۔ میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"آپ بھی روک لیں — بس ہم یہیں اتریں گے —"

وہ بل دے کر فارغ ہوئے تو خاور شاہ اس عمارت میں داخل ہو چکا تھا — انہوں نے آگے بڑھ کر دیکھا، یہ ایک شاندار کوٹھی تھی — دروازے پر پروفیسر خالد تابانی کا نام لکھا تھا —

"کیا خیال ہے، اب ہم واپس چلیں۔" آفتاب نے کہا۔ "کیونکہ خاور شاہ پروفیسر تابانی کو یہی بتانے آیا ہو گا کہ اس شہر میں ڈاکٹر مونٹانا سے بہتر کوئی علاج نہیں کرتا۔"

"ابھی تو کام کا موقع ملا ہے اور تم کہتے ہو، آؤ واپس چلیں۔"

"لیکن مجھے تو یہاں دور دور تک کوئی موقع و وقع نظر نہیں آ رہا۔"

"تمہاری عقل کی آنکھیں کمزور ہو گئی ہیں۔" آصف نے جل کر کہا۔

"ارے بھئی، وہ عقل ڈاڑھ ہوتی ہے۔" آفتاب ہنسا۔

"ہوتی ہو گی۔ میرا پروگرام یہ ہے کہ ہم دونوں اندر چلیں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ خاور شاہ پروفیسر تابانی سے کیا بات کرتا ہے۔"

"لیکن اس طرح کسی کے گھر میں داخل ہونا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔" آفتاب نے پریشان ہو کر کہا —

"اگر تم مناسب اور نامناسب کے چکر میں پڑتے رہے تو کبھی ایک اچھے جاسوس نہیں بن سکو گے۔" آصف نے شریر لہجے میں کہا۔

"اور تم تو جیسے اعلیٰ پائے کے جاسوس بن چکے ہو۔" آفتاب جل بھن کر بولا۔

"اچھا، اگر تمہیں اندر جاتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے تو تم یہیں ٹھہرو۔ میں تنہا اندر جاتا ہوں۔" آصف نے تجویز پیش کی —

"ہاں، تاکہ ایک عدد کارنامہ انجام دینے کا سہرا تمہارے سر بندھے۔ لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گا — اس سہرے میں میرا برابر کا حصہ ہو گا —" یہ کہہ کر آفتاب پھاٹک کی طرف بڑھا —

"بڑے لالچی ہو یار، آدھے سہرے کے لالچ میں آ گئے۔" آصف نے بھی اس کے پیچھے قدم اٹھاتے ہوئے کہا —

"انسان تو اس سے بھی کہیں معمولی چیزوں کے لالچ میں آ

جاتا ہے۔" آفتاب گنگنایا۔

پھاٹک عبور کرنے پر انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ روش پر چلتے وہ اندرونی دروازے کی طرف بڑھے — دروازے کے ساتھ ہی دیوار مڑ رہی تھی اور اس طرف کھڑکیاں نظر آرہی تھیں — گویا کوٹھی کے کمروں کی کھڑکیاں اس طرف کھلتی تھیں — وہ ان کھڑکیوں کے سامنے جا پہنچے۔ پہلی کھڑکی کھلی نظر آئی؛ البتہ اس میں پردہ لٹک رہا تھا — کھڑکیوں میں سے باتیں کرنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ خاور شاہ کہہ رہا تھا۔

"ڈاکٹر مونٹانا کا پیغام یاد رکھیے گا جناب — وہ آپ کا بھلا چاہتے ہیں — آپ کے ستاروں کے ذریعے آنے والی تباہی کا اندازہ پہلے ہی لگا لیا ہے — اسے آپ اپنی خوش قسمتی کہہ سکتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے — میں ان کی ہدایات پر عمل کروں گا اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس احسان کا بدلہ بھی ضرور دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ جناب، اب میں چلتا ہوں۔" انہوں نے خاور شاہ کو کہتے سنا — دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، بات ان کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی، کیونکہ اصل بات ان کے اندر آنے سے پہلے ہو چکی تھی — انہوں نے کمرے میں کرسیوں کے گھسٹنے کی آواز سنی، پھر قدموں کی چاپ سنائی دی —

"لو بھئی، خاور شاہ جا رہا ہے۔" آصف نے سرگوشی کی۔

"جانے دو، ہمارا کیا نقصان ہے۔"

"لیکن جس مقصد کے لیے ہم یہاں تک آئے تھے، وہ تو فوت ہو گیا۔" آصف نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"جب وہ فوت ہو ہی چکا تو ہم کیا کرلیں گے — ظاہر ہے، اسے زندہ تو کر نہیں سکیں گے۔" آفتاب نے بے خیالی میں کہا۔

"کہاں کی ہانک رہے ہو؟"

"اوہ، میرا ذرا ذہن بھٹک گیا تھا۔"

"اپنے ذہن کو قابو میں .... ارے باپ رے۔" آصف کے منہ سے گھبرائی ہوئی آواز میں نکلا۔

"کک۔ کیا ہوا؟" آفتاب بوکھلا اٹھا۔

"کک — کتا۔" آصف بولا۔

"کیا کہا، کتا — تم نے مجھے کتا کہا — تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا — شرم تو نہیں آتی تمہیں — اپنے الفاظ واپس لو؛ ورنہ میں اس غیر محفوظ جگہ پر بھی تم سے دو دو ہاتھ کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

"تت، تمہارا دماغ چل گیا ہے، نیچے دیکھو۔"

"اوہو، تو کیا دماغ چل جانے والوں کو نیچے دیکھنے کا مشورہ دیتے ہیں ڈاکٹر۔" آفتاب نے کہا اور جلدی سے نیچے نظر دوڑائی۔ اس نے دیکھا، ایک سیاہ رنگ کے چھوٹے سے کتے نے آصف کی پتلون منہ میں دبا رکھی تھی —

شامت

"ہیلو، ارے بھئی — یہ کیا حرکت — چپ چپاتے آکر پتلون پکڑ لی —" آصف نے اُسے گھورتے ہوئے کہا —

"شاید یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ جو بھونکتے ہیں، وہ کاٹتے نہیں —" آفتاب مسکرایا —

"دیکھو یار، چھوڑ دو — ہم چور نہیں ہیں — چور تو وہ تھا جو ابھی ابھی تمہارے مالک سے ملنے آیا تھا۔ ہمیں اس کا پیچھا کرنا ہے۔ اس لیے مہربانی فرما کر میری پتلون چھوڑ دو اور کسی اور کی پتلون پر نظریں جماؤ۔"

"ڈونکی تم کہاں ہو؟ میں کب سے تمہیں تلاش کر رہی ہوں۔"

اسی وقت انھوں نے ایک لڑکی کی آواز آس پاس ہی سُنی۔ دونوں بوکھلا گئے — لڑکی کی آواز سُنتے ہی کتا غرّایا — غرّانے کے لیے بھی اس نے پتلون پر سے منہ نہ ہٹایا — آصف اگر چاہتا تو آسانی سے اس سے پیچھا چھڑا سکتا تھا، لیکن اس نے اچانک اپنا پروگرام

بدل دیا تھا۔ ادھر آفتاب اس صورتِ حال سے بوکھلا گیا۔ اس نے کہا:

"کیا کرتے ہو! اسے پرے جھٹک دو، کیا یہیں ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔"

"ہاں، اس لیے کہ ہم اس گفتگو کا مطلب نہیں سمجھ سکے، جو پروفیسر خالد تاپانی اور خاورشاہ کے درمیان ہوتی ہے۔"

"تو کیا یہ کتا تمہیں وہ گفتگو سنائے گا —" آفتاب جھلا اٹھا۔

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی تیرہ چودہ سالہ ایک لڑکی ان کے سامنے آگئی — وہ دیوار والا موڑ مڑ کر آئی تھی — ان پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں — آخر اس نے کہا:

"ڈونکی، تم یہاں ہو — اور یہ کیا چکر ہے — اے — کیا تم دونوں چور ہو —"

"جی نہیں، البتہ آپ کا کتا یہی سمجھ بیٹھا ہے — مہربانی فرما کر اسے سمجھائیے کہ یہ شریف آدمیوں کو چور نہ سمجھے —" آفتاب نے جلدی جلدی کہا، آصف کو ہنسی آگئی —

"لیکن اگر آپ چور نہیں ہیں تو یہاں کیسے نظر آرہے ہیں —"

"ہم آپ کے والد کے ملاقاتی کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے —" آصف نے سنجیدہ لہجے میں اسے بتایا۔

"کیا مطلب؟"

"ابھی ابھی ایک شخص آپ کے والد سے ملنے آیا تھا۔ وہ ایک فراڈ آدمی ہے — ہمارا خیال ہے کہ وہ آپ کے والد کو دھوکا دینے

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے ڈیڈی — میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ پہلے ان سے بات کر لی جائے، کیونکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ چور نہیں ہیں جب کہ ڈونکی ان میں سے ایک کی پتلون منہ میں دبائے کھڑا تھا۔"

"اوہ اچھا — ہاں بھئی، تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ تم چور نہیں ہو جب کہ تم گھر کی چار دیواری میں داخل ہوئے اور ہمارے کتے نے بھی تمہیں چور سمجھا۔"

"ہم آپ کے ملاقاتی یعنی خاور شاہ کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے — وہ ایک دھوکے باز آدمی ہے — ہم اس خیال سے آپ کی چار دیواری میں داخل ہوئے تھے کہ آپ کی اور اس کی گفتگو سنیں، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ آپ کو کس طرح دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن ہم گفتگو نہیں سُن سکے — آپ کے ڈونکی نے ہمیں پکڑ لیا — اب بھی اگر آپ یہ بتا دیں کہ وہ شخص آپ سے کیا چاہتا ہے تو ہم آپ کو یہ بتا سکتے ہیں کہ اس کے ارادے کیا ہیں؟"

"تم کس طرح یہ بات کہہ سکتے ہو کہ وہ دھوکے باز ہے؟" پروفیسر خالد تابانی نے انہیں بُری طرح گھورتے ہوئے کہا۔

"سُنیے، اس کا نام خاور شاہ ہے، وہ ڈاکٹر مونٹانا کے لیے کام کرتا ہے — اس کے طریقۂ علاج کے بارے میں لوگوں کو بتاتا پھرتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی ہم بہت کچھ بتا سکتے ہیں، لیکن پہلے آپ یہ بتائیں کہ وہ آپ سے کیا چاہتا ہے۔" آصف نے جلدی جلدی کہا۔

"اس نے بھی یہی بتایا ہے کہ وہ ڈاکٹر مونٹانا کے لیے کام کرتا ہے اور وہ اس وقت ڈاکٹر مونٹانا کا ایک پیغام لے کر ہی مجھ تک پہنچا تھا۔"

"اور وہ پیغام کیا تھا؟" آفتاب نے پوچھا۔

"سوال یہ ہے کہ میں تمہیں کیوں بتاؤں — ابھی تک تم یہ بات ثابت نہیں کر سکے کہ تم چور نہیں ہو اور خاور شاہ فراڈ ہے۔"

"ہم تو ایک منٹ میں ثابت کر دیں جناب، آپ کرنے بھی تو دیں۔" آفتاب کو غصہ آ گیا۔

"کیا مطلب؟" پروفیسر چونکے۔

"جب تک آپ یہ نہیں بتائیں گے کہ وہ آپ سے کیا چاہتا ہے۔ اس وقت تک ہم بھی کچھ ثابت نہیں کر سکتے۔"

"میرا خیال ہے ڈیڈی، اس میں کوئی حرج نہیں — بتا دیجیے۔"

"اچھا بیٹی، اگر تم کہتی ہو تو بتا دیتا ہوں — خاور شاہ تو ایک بہت ہی نیک مقصد کے لیے آیا تھا — اس نے کہا تھا کہ ڈاکٹر مونٹانا کو ستاروں کے ذریعے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ یہ کوٹھی کل کسی وقت ایک دم گر پڑے گی — شاید زلزلہ آئے گا، یا کچھ وجہ ہوگی، لیکن گرے گی ضرور — اس لیے اسے آج ہی خالی کر دینا چاہیے، لیکن خالی کرنے

ہے پہلے اور بعد کسی کو کچھ نہ بتایا جائے۔" یہاں تک کہہ کر پروفیسر تابانی خاموش ہو گئے۔

"آپ خود ہی سوچیے، اتنی مضبوط اور نئی تعمیر شدہ کوٹھی بھلا کس طرح گر جائے گی — ڈاکٹر مونٹانا کے ستارے یہی کہتے ہیں تو اس نے یہ اطلاع دینے کے لیے اپنا آدمی کیوں بھیجا، وہ آپ کو فون بھی تو کر سکتے تھے — ان کے مطب میں فون موجود ہے۔"

"ابھی تک تم یہ ثابت نہیں کر سکے کہ خاور شاہ فراڈ ہے۔"

"ہم یہی بات ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ابھی ایک آدھ منٹ کے اندر ثابت کر دکھائیں گے — اگر نہ ثابت کر سکیں تو آپ اپنے کاردار صاحب کو فون کر دیجیے گا، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا، کیوں آصف؟" آفتاب پروفیسر تابانی سے کہتے کہتے آصف کی طرف الٹ پڑا۔

"بالکل ٹھیک — ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"ہو گا بھی تو مجھے کیا — تمہیں چاہے سو اعتراض ہوں۔" پروفیسر نے کندھے اچکائے۔

"کیا آپ کسی کالج میں پڑھاتے ہیں؟" آصف نے پوچھا۔

"ہاں!" اس نے کہا۔

"کیا آپ کو ان دنوں ایک یا دو دھمکی آمیز خط ملے ہیں؟"

"دھمکی آمیز خط — نہیں تو۔" پروفیسر تابانی نے کسی قدر حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"آپ اخبار میں سیٹھ ارسلان کو دھمکی آمیز خطوط ملنے اور پھر ان کی کار تباہ ہونے کے بارے میں تو پڑھ چکے ہوں گے۔"

"ہاں، پڑھ چکا ہوں۔"

"اور آپ ہم سے چھپا نہیں رہے — آپ کو ایسا کوئی خط نہیں ملا۔" آفتاب نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں، کوئی خط نہیں ملا۔"

"اگر آپ کو کوئی خط نہیں ملا تو وہ حویلی کیوں خالی کرنے کے لیے کہہ گیا ہے — ارے۔" آفتاب بڑبڑانے کے انداز میں کہتے کہتے چونک اٹھا — پھر آصف کی طرف پلٹا۔

"یار آصف، میں بہت بے وقوف ہوں۔"

"خدا کا شکر ہے، تمہیں احساس تو ہوا۔" آصف خوش ہو کر بولا۔

"سنو، اگر وہ گمنام آدمی پروفیسر صاحب کو دھمکی آمیز خط لکھتا اور مطالبہ پورا نہ ہونے کی صورت میں اس حویلی کو تباہ کرنے کا پروگرام بناتا تو خاور شاہ انہیں آکر یہ بات کیوں بتاتا۔"

"اس کا صرف ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے۔" آصف نے سوچ میں گم لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ دھمکی دینے والے کا تعلق ڈاکٹر مونٹانا سے بالکل نہیں اور وہ سچ مچ پروفیسر تابانی صاحب کا ہمدرد ہے۔"

"گویا وہ ستاروں کا علم واقعی جانتا ہے، جب کہ میں ایسا نہیں سمجھتا۔ ستاروں کا علم جاننے والے برف کی روشنی جیسی چیزوں سے کام نہیں لیا کرتے۔"

"تو پھر ڈاکٹر مونٹانا یہ کیوں چاہتا ہے کہ پروفیسر صاحب کوٹھی خالی کر دیں۔"

"شاید وہ اس کوٹھی کو خود کرائے پر لینا چاہتا ہے۔"

"ٹھہرو، ابھی ابھی مجھے ایک زوردار خیال سوجھا ہے۔" آصف تقریباً اچھل کر بولا۔ آفتاب نے اسے حیران ہو کر دیکھا اور پھر بولا:

"ایسا کتنا زوردار خیال سوجھ گیا کہ تم اچھل ہی پڑے ہو۔"

"پروفیسر صاحب، کیا یہ کوٹھی آپ کی اپنی ہے۔"

"نہیں تو کرائے پر لے رکھی ہے۔"

"اوہ، تو پھر کوٹھی کا مالک کون ہے؟" آصف نے جلدی سے کہا۔

"آزاد خان۔ وہ شکر کے ایک چھوٹے سے کارخانے کا مالک ہے۔"

"کیا؟" دونوں چلا اٹھے۔

***
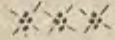
انسپکٹر کامران مرزا گھر پہنچے تو انہیں معلوم ہوا۔ آفتاب اور آصف ابھی تک نہیں لوٹے۔ انہوں نے ڈائریکٹری میں ڈاکٹر مونٹانا کے نمبر دیکھ کر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے ایک کھردری سی آواز والے آدمی نے کہا۔

"خوچہ، کون بولتا ہے۔ مطب بند ہو چکا ہے۔"

"کیا ڈاکٹر صاحب ابھی مطب میں موجود ہیں۔"

"ان کے بارے میں ام کو کچھ نہیں مالوم۔ ہم نے آج تک ان کو نہیں دیکھا۔"

"دوسرا عملہ اور مریضوں میں سے کوئی یہاں ہے۔"

"نائیں۔ سب لوگ جا چکے ہیں۔"

انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور سوچ میں ڈوب گئے کہ دونوں ڈاکٹر مونٹانا سے فارغ ہو کر بھلا کہاں جا سکتے ہیں، پھر کچھ سوچ کر اٹھے اور بیگم سے بولے:

"وہ دونوں اگر آئیں تو انہیں یہیں روک لینا۔ میں انہی کی تلاش میں جا رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔"

جیپ میں بیٹھ کر وہ ڈاکٹر مونٹانا کے مطب کے سامنے پہنچے۔ نیچے اُتر کر دروازے کی طرف بڑھے ـــ دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے گھنٹی کا بٹن دبایا ـــ فوراً ہی ایک پٹھان آتا نظر آیا ـــ جالی دار دروازے میں سے وہ صاف نظر آ رہا تھا ـــ چہرے پر ناگواری کے اثرات تھے :

"مطب بند ہو چکا ہے صاب ـــ"

"دروازہ کھولو ـــ میرا تعلق پولیس سے ہے ـــ"

"پولیس، ارے باپ رے ـــ لیکن پولیس کا یہاں کیا کام۔ ہم کوئی چور ہے صاب ـــ"

"تم دروازہ کھولتے ہو یا میں پستول جیب سے نکال لوں ـــ"

"پستول، ارے نہیں ـــ میں دروازہ کھولتا ہوں ـــ" یہ کہہ کر اس نے دروازہ کھول دیا ـــ وہ اسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے استقبالیہ کمرے کی طرف بڑھے ـــ

"وہ رجسٹر کہاں ہے، جس میں مریضوں کے نام لکھے جاتے ہیں"

"میز پر ہی پڑا ہے ـــ" اس نے اشارہ کیا۔

انہوں نے جلدی جلدی اس تاریخ کے مریضوں کے نام دیکھے، آفتاب کا نام موجود تھا ـــ اب وہ پٹھان کی طرف مڑے ـــ

"تم مطب کے چوکیدار ہو؟"

"جی ہاں ـــ"

"کس وقت آتے ہو؟"

"مطب بند ہونے سے پندرہ بیس منٹ پہلے" اس نے کہا۔

"میں مطب کو اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں ـــ"

"میرے پاس اندرونی کمروں کی چابیاں نہیں ہیں صاب، مس صاب کے پاس ہوتی ہیں ـــ" اس نے بتایا۔

"مس صاب کون؟"

"صوفیہ بی بی ـــ رجسٹروں میں نام وغیرہ وہی لکھتی ہیں ـــ"

"ان کا پتا بتا سکتے ہو؟"

"جی ہاں، یہاں سے نزدیک ہی رہتی ہیں"

"تو پھر جا کر انہیں بلا لاؤ"

"لیکن جناب، آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ آپ کا تعلق واقعی پولیس سے ہے ـــ" پٹھان نے پریشان ہو کر کہا۔

"بہت دیر بعد اس بات کا خیال آیا ـــ خیر، اگر پڑھے لکھے ہو تو یہ کارڈ پڑھ لو ـــ" انہوں نے اپنا شناختی کارڈ نکال کر دکھایا، اس نے ایک نظر اس پر ڈالی اور بولا۔

"میں پڑھا لکھا نہیں، مس صاحبہ کو بلا لاتا ہوں۔ آپ تشریف رکھیے، لیکن چکر کیا ہے؟"

"مس صاحبہ کے سامنے بتاؤں گا۔ تم بھی سن لینا ـــ"

وہ چلا گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد واپسی ہوئی ـــ اس کے ساتھ

ایک نوجوان لڑکی تھی۔ اس نے انہیں گھور کر دیکھا۔ پھر اکڑ کر بولی:

"ہاں جناب، کیا بات ہے؟"

"شام کے وقت یہاں دو لڑکے آئے تھے۔ ان میں سے ایک کو ڈاکٹر صاحب کو دکھانا تھا۔ وہ دونوں اب تک گھر نہیں پہنچے۔ میں ان کی تلاش میں ہی آیا ہوں۔"

"آپ کا مطلب آفتاب نامی لڑکے سے ہے، جسے ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔" صوفیہ نے کہا۔

"ہاں۔"

"وہ دونوں آئے تھے اور ڈاکٹر صاحب کو دکھا کر چلے گئے تھے۔"

"وہ گھر نہیں پہنچے۔ میں اس مطب کی اندر سے تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

"کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ ہم نے انہیں اندر قید کر رکھا ہے۔" صوفیہ کا لہجہ طنزیہ ہوگیا۔

"نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ یہاں نہیں ہیں تو گھر کیوں نہیں پہنچے؟"

"آپ کو ادھر ادھر ان کے دوستوں کے ہاں اور ہسپتال کے شعبۂ حادثات وغیرہ میں پتا کر لینا چاہیے تھا۔"

"میں یہ بھی کر لوں گا، لیکن پہلے اندر کی تلاشی لوں گا۔" انہوں نے بضد ہو کر کہا۔

"اس کے لیے آپ کو وارنٹ کی ضرورت ہوگی۔"

"وارنٹ میرے پاس ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔" انہوں نے کہا اور اپنا خصوصی اجازت نامہ نکال کر دکھایا۔ اس پر ان کا نام پڑھ کر صوفیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اُف خدا، تو کیا مسٹر آفتاب آپ کے فرزند ہیں؟" اس کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں، اور ساتھ میں اس کا دوست بھی ہے۔"

"آئیے، میں آپ کو مطب اندر سے دکھا دوں۔" اس نے گویا ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر چابیوں کے گچھے سے تالا کھول دیا اور انہیں لے کر اندرونی کمرے میں آگئی۔

"یہاں ڈاکٹر صاحب اپنے مریضوں کو بٹھاتے ہیں۔"

"اور خود کہاں بیٹھتے ہیں؟"

"خود مریضوں کے سامنے نہیں آتے۔ ان کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر سامنے نہ آئے تو مریض پر بہتر اثر ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے ڈاکٹر صاحب کا کمرہ بھی دکھا دیں۔"

"ضرور ضرور، آئیے۔" اس نے کہا اور کمرے میں دائیں طرف کے دروازے پر پہنچ گئی۔ اس کے تالے کے سوراخ میں چابی گھمائی۔ اور پھر دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوگئی۔ اندر داخل ہوتے ہی ان کا سر زور سے چکرایا اور وہ دھڑام سے کمرے کے فرش پر گر گئے۔

ان کے گرتے ہی صوفیہ باہر نکل آئی اور کمرے کا دروازہ پھر سے بند کرتے ہی تالا لگا دیا — وہ مریضوں والے کمرے میں آئی اور اس کے دروازے میں بھی تالہ لگا دیا — باہر پٹھان چوکیدار پُرسکون انداز میں کھڑا تھا۔

"خان، تم جانتے ہو یہ کون صاحب ہیں؟"

"جی نہیں۔"

"مطب بند ہونے کے بعد کوئی یہاں آیا تو نہیں تھا؟"

"جی نہیں۔"

"تم مجھے بلا کر تو نہیں لائے تھے؟"

"جی نہیں۔"

"شاباش، کسی کو بھی کوئی بات معلوم نہ ہو — آج مطب بند ہونے کے بعد یہاں کوئی نہیں آیا — بس۔"

"لیکن مس صاحبہ، ان کی جیپ باہر کھڑی ہے۔"

"تم جیپ کی فکر نہ کرو — میں اسے ہٹا دیتی ہوں۔ انسپکٹر کامران مرزا نے چابی اس میں لگی رہنے دی ہو گی۔"

یہ کہہ کر وہ اس کے سامنے سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد جیپ بھی وہاں نہیں رہ گئی تھی —

مقابلہ ہوگیا

"کیا بات ہے، تم دونوں آزاد خان کا نام سن کر چلائے کیوں؟" پروفیسر تابانی نے حیران ہو کر کہا — تارا تابانی بھی انہیں چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

"اب بات صاف ہوگئی — یہ بات معلوم ہوگئی کہ خاور شاہ یہاں کیوں آیا تھا۔"

"کیوں آیا تھا — تم معموں میں باتیں کیوں کر رہے ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں بتاتے۔"

"سُنیے، آزاد خان کو دو دھمکی آمیز خطوط مل چکے ہیں — کل تک تیسرا بھی مل جائے گا اور اگر انہوں نے اس پراسرار آدمی کا حکم نہ مانا تو وہ اس کا نقصان کرے گا — نقصان کے لیے یا تو وہ ان کی اپنی کوٹھی تباہ کر سکتا ہے یا پھر ان کا کارخانہ، لیکن ان دونوں جگہوں کو پولیس اپنی حفاظت میں لے چکی ہے۔ لیکن اس کوٹھی کی طرف شاید کسی کا خیال نہیں گیا؛ چنانچہ اس نے اس کو

اپنا نشانہ نہ بنانے کا پروگرام بنایا — اب چونکہ اس سارے چکر میں
آپ کا کوئی عمل دخل یا قصور نہیں ہے ۔ اس لیے وہ آپ کو بچا
لینا چاہتا ہے ۔"

"اوہ۔" پروفیسر کے منہ سے نکلا۔

"اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ گمنام
آدمی ڈاکٹر مونٹا تا ہی ہے — ایک طرف تو وہ اپنا مطب چلا رہا
ہے اور دوسری طرف فلاحی اداروں کو زبردستی چندے دلوا رہا ہے۔
لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اسے ان چندوں سے کیا فائدہ
پہنچ سکتا ہے ۔"

"خدا جانے کیا چکر ہے — اب آپ یہ بتائیں کہ ہم کیا کریں۔"
پروفیسر نے منہ بنا کر کہا ۔

"آپ کو فوری طور پر کوٹھی خالی کر دینی چاہیے۔" آصف
نے کہا —

"بھئی آصف، میرے خیال میں خاور شاہ صرف اتنی سی بات
کے لیے نہیں آیا تھا کہ پروفیسر صاحب کو خطرے سے آگاہ کر دے ۔
کیونکہ یہ ضروری نہیں، وہ ہر بار کسی کی کوٹھی کو آگ ہی لگائے۔"

"اوہ، شاید تم ٹھیک کہتے ہو — اس کا مطلب ہے، ہمیں
یہاں کی تلاشی لینی چاہیے۔"

"ہاں، میرا یہی مطلب تھا۔"

"پروفیسر صاحب، کیا ہم یہاں کی تلاشی لے سکتے ہیں۔"

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا — کیوں نہ کاردار صاحب کو
فون کر دوں۔"

"آپ انہیں بھی ضرور فون کریں — لیکن مہربانی فرما کر ہمیں
تلاشی لینے سے نہ روکیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے — آپ تلاشی لیں، میں فون کرتا ہوں۔"

آفتاب اور آصف جلدی جلدی تلاشی لینے لگے — ابھی وہ
کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکے تھے — کہ دروازے کی گھنٹی بجی —
پروفیسر صاحب چونک کر بولے :

"لیجیے کاردار صاحب آ گئے — تھانہ یہاں سے نزدیک ہی
ہے — بیٹی تارا، تم دروازہ کھول آؤ۔"

"بہتر ڈیڈی۔" تارا نے کہا اور باہر نکل گئی۔ آفتاب اور
آصف اپنے کام میں جُتے رہے — آخر انہوں نے قدموں کی آواز
سُنی، پھر کسی کو کہتے سُنا :

"السلام وعلیکم پروفیسر صاحب، کہیے، مجھے کیسے یاد کیا — کیا
پریشانی لاحق ہو گئی۔"

انہوں نے دیکھا، ایک اونچے قد کا بارعب آدمی پولیس کی
وردی میں اندر بڑھا چلا آ رہا تھا۔ انہوں نے اب بھی اپنے ہاتھ نہ
روکے۔ تھانیدار نے انہیں حیران ہو کر دیکھا اور پھر سوالیہ نظروں سے

پروفیسر تابانی کی طرف دیکھا — اس نے جلدی جلدی ساری تفصیل کہہ سنائی۔

"اے — تم دونوں ٹھہرو — تم اس طرح تلاشی نہیں لے سکتے۔" کاردار ساری بات سُن کر غرایا۔

"بہت بہتر جناب، اگر آپ اس سے بہتر طریقے سے تلاشی لے سکتے ہیں تو آپ لے لیں۔"

"آخر تم ہو کون — اپنے نام بتاؤ۔"

"میں آفتاب ہوں اور یہ آصف۔"

"باپ کا نام؟"

"انسپکٹر کامران مرزا اور محمد یوسف خان۔" آفتاب نے اس لیے نام بتا دیا کہ وہ وقت نہیں ضائع کرنا چاہتا تھا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر کاردار چونکا۔

"آپ کس بات کا مطلب جاننا چاہتے ہیں۔"

"تم نے کس انسپکٹر کامران مرزا کا نام لیا۔" انسپکٹر کاردار کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے — اس شہر میں کیا پورے ملک میں انسپکٹر کامران مرزا ایک ہی ہیں۔"

"اوہ — تو آپ انسپکٹر کامران مرزا کے فرزند ہیں — تب تو مجھے معاف کیجیے گا۔" انسپکٹر کاردار نے جلدی سے کہا — ادھر

پروفیسر اور ان کی بیٹی کا بُرا حال تھا — وہ آنکھیں پھاڑ کر کر ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں — آپ ہم سے بڑے ہیں اور آپ نے ہم سے کوئی زیادتی بھی نہیں کی۔" آصف نے خوش دلی سے کہا۔

"آپ کے خیال میں یہاں کیا معاملہ ہے۔"

"خیال یہی ہے کہ ڈاکٹر مونٹانا کے کارکن خاور شاہ یہاں کوئی ایسی چیز چھپا گیا ہے، جس سے یہ کوٹھی کل تباہ ہو جائے گی — یعنی ٹائم بم قسم کی کوئی چیز۔"

"اوہ، اگر اس چیز کو تلاش نہ کر لیا گیا تو پروفیسر صاحب کو کوٹھی خالی کرنا پڑے گی اور آزاد خان کی کوٹھی تباہ ہو جائے گی: لہذا بہتر یہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس چیز کو تلاش کر لیا جائے۔" کاردار نے کہا۔

"ہم اسی کوشش میں ہیں۔"

وہ ایک بار پھر تلاشی لینے لگے — انسپکٹر کاردار بھی ان کا ساتھ دینے لگے — پروفیسر اور ان کی بیٹی ہکا بکا سے کھڑے تھے۔ اسی وقت آصف نے پوچھا:

"خاور شاہ اس کمرے کے علاوہ تو کہیں نہیں گیا — میرا مطلب ہے، اندر آنے کے بعد اسے اسی کمرے میں بٹھایا گیا تھا؟"

"ہاں، لیکن نہیں — وہ دو ایک منٹ کے لیے غسل خانے میں بھی گیا تھا۔" پروفیسر کو جیسے اچانک یاد آیا۔

"آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔" یہ کہتے ہوئے آصف غسل خانے کی طرف دوڑ پڑا۔ آفتاب اور کاردار نے بھی اس کا ساتھ دیا اور پھر انہیں زیادہ دیر تلاش نہ کرنا پڑی۔ کموڈ کے پچھلی طرف ایک سیاہ رنگ کا آلہ سا چپکا ہوا تھا۔ انہوں نے پہلے تو اسے خوف زدہ نظروں سے دیکھا اور پھر انسپکٹر کاردار نے ہمت کر کے اسے اتار لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ تھرتھر کانپتی آواز میں کہہ رہا تھا:

"اُف خدا، یہ تو بہت مہلک بم ہے — میں اس قسم کا بم پہلے بھی دیکھ چکا ہوں اور مزے کی بات یہ کہ اس میں دو تین دن بعد کا ٹائم بھی سیٹ کیا جا سکتا ہے۔"

"ارے باپ رے۔" پروفیسر تابانی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"تاہم ڈاکٹر موٹانا نے آپ کے ساتھ بھلائی ہی کی ہے۔" انسپکٹر کاردار نے کہا۔

"اب — اب ہم کیا کریں؟" پروفیسر تابانی لرزتی آواز میں بولے۔

"اب آپ کو کوٹھی خالی کرنے کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر کاردار نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"لیکن جناب، جب کل اس کوٹھی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے

گا تو وہ گمنام آدمی یا ڈاکٹر موٹانا جو کوئی بھی وہ ہے، اسے تباہ کرنے یا جلانے کی کوئی اور کوشش کرے گا — اس صورت میں پروفیسر صاحب اور ان کی بیٹی کا یہاں ٹھہرے رہنا مناسب نہیں ہوگا، کیونکہ ایک بار پروفیسر صاحب کو خبردار کرنے کے بعد وہ شخص دوبارہ انہیں خبردار کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھے گا۔" آفتاب پرخیال انداز میں کہتا چلا گیا —

"ہاں، آپ کا خیال ٹھیک ہے — احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کوٹھی خالی کر دیں۔"

"اور ہم کوٹھی کے اندر رہ کر نگرانی کریں گے اور دیکھیں گے کہ کوٹھی تباہ کرنے کے لیے اب کیا قدم اٹھایا جاتا ہے۔"

"ہوں، پروگرام بہت شاندار رہے گا — کیا آپ انسپکٹر صاحب کو ان حالات کی اطلاع نہیں دیں گے۔" انسپکٹر کاردار بولا۔

"کیوں نہیں دیں گے — ہم ان کے مشورے کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھائیں گے — اب ہم یہاں سے گھر جائیں گے اور انہیں سارے حالات سنائیں گے۔"

"بہت بہتر، تو پھر میں بھی چلتا ہوں — پروفیسر صاحب آپ کوٹھی خالی کر دیں — اور چابی مجھے دے دیں۔ ان لوگوں کو اگر اندر داخل ہونے کی ضرورت پیش آئی تو چابی انہیں دے دوں گا۔ بلکہ میں خود بھی اس مہم میں ان کا ساتھ دوں گا — یہ میری عین

خوش قسمتی ہوگی۔"

"بہت اچھا! میں ایسا ہی کروں گا۔"

وہ وہاں سے رخصت ہوئے۔۔ گھر میں داخل ہوئے تو شہناز بیگم نے چونک کر کہا۔

"ارے! تمہارے ابا جان کہاں ہیں؟"

"جی کیا مطلب؟ وہ ہمارے ساتھ کب تھے؟"

"وہ تمہاری تلاش میں نکلے تھے۔۔ تم نے اتنی دیر کہاں لگائی؟"

"ہم ذرا اُلجھ گئے تھے۔۔ کیا انکل آپ کو کچھ بتا کر گئے ہیں؟"

"انھوں نے ڈاکٹر موٹانا کے مطب میں فون کیا تھا۔ مطب اس وقت بند ہو چکا تھا۔۔ اس کے بعد وہ گھر سے تمہاری تلاش میں نکل گئے اور تمہارے لیے کہہ گئے کہ لوٹو تو تمہیں گھر میں ہی روک لوں۔"

"آپ کا مطلب ہے، ہم ان کی تلاش میں نہیں نکل سکتے۔"

"نہیں۔"

"بہت اچھا۔۔ جب ہم انہیں کہیں نہیں ملیں گے تو خود ہی واپس آ جائیں گے، بلکہ امید ہے، بہت جلد واپس آ جائیں گے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" آصف بولا۔

اور وہ کھانے کی میز پر بھی ان کا انتظار کرنے لگے لیکن جب کھانے کا وقت گزرنے لگا اور وہ نہ لوٹے تو ان کی پیشانیوں

پر فکر کے بادل منڈلانے لگے۔۔ کچھ اور وقت گزرا تو وہ بے چین ہو گئے۔۔ اب آفتاب سے رہا نہ گیا۔۔ اس نے دفتر کے نمبر ڈائل کیے اور چوکیدار کے ذریعے سب انسپکٹر شاہد کو فون پر بلوایا۔

"ہیلو انکل، میں آفتاب بول رہا ہوں۔۔ ابا جان ہماری تلاش میں نکلے تھے، اب تک لوٹ کر نہیں آئے۔۔ ادھر ہمیں وہ یہ حکم دے گئے ہیں کہ ہم واپس لوٹیں تو گھر میں ہی ٹھہریں۔"

"اچھا تو پھر۔" شاہد نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کی تلاش میں نکلیں اور ہمیں وقتاً فوقتاً فون کرتے رہیں۔"

"اچھی بات ہے، میں ابھی نکلتا ہوں۔" اس نے کہا۔

ان کی پریشانی بڑھتی چلی گئی۔۔ اور پھر رات کے دس بج گئے۔۔ اس دوران میں انہیں سب انسپکٹر شاہد کی طرف سے تین بار فون کیا گیا۔۔ ہر بار یہی بتایا گیا کہ ابھی تک ان کا کوئی پتا نہیں چلا۔

"اب ہم ان کی تلاش میں نکلے بغیر نہیں رہ سکتے۔۔ دیکھیے، امی جان، اگر ہم دونوں انہیں نہیں ملے تھے تو تلاش کرنے کے دوران میں انہیں گھر فون کر کے یہ تو معلوم کرنا چاہیے تھا کہ ہم آ گئے ہیں یا نہیں۔" آفتاب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"یہی فکر تو مجھے بھی کھائے جا رہا ہے۔" بیگم کامران مرزا بولیں۔

"بس تو پھر آنٹی، آپ ہمیں نہ روکیں۔"

"اچھا جاؤ، خدا حافظ — لیکن موقع ملنے پر فون ضرور کرتے رہنا، میں فون کے پاس ہی بیٹھی رہوں گی۔"

"بہت اچھا امی جان۔" آفتاب نے کہا اور آصف کے ساتھ گھر سے باہر نکل آیا —

جلد ہی انہیں ایک رکشہ مل گیا — رکشے میں بیٹھ کر وہ ڈاکٹر مونٹانا کے مطب پہنچے — مطب کا دروازہ اندر سے بند تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اندر کوئی ہے — آفتاب نے معنی خیز انداز میں آصف کو دیکھا اور بولا:

"آصف، تم اندھیرے میں یہیں کہیں چھپ جاؤ — صرف میں اندر جاؤں گا۔"

"کیا اندر جانا ضروری ہے؟"

"ہاں، وہ بھی ہمیں تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہوں گے — اور دروازہ اندر سے بند دیکھ کر انہوں نے بھی دروازے پر دستک دی ہوگی۔"

"تب پھر تم مجھ سے یہ کیوں چاہتے ہو کہ میں کہیں چھپ جاؤں۔ ہم دونوں ساتھ ہی کیوں نہ اندر چلیں۔"

"بھئی، اگر میں بھی اندر جا کر پھنس گیا تو تم تو کچھ کر سکو گے اور کچھ نہیں تو انکل شاہد کو تو اطلاع دے ہی دو گے۔"

"لیکن میں انہیں اطلاع کس طرح دوں گا — وہ تو انکل کی

تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔" آصف نے پریشان ہو کر کہا۔

"اگر وہ تمہیں کہیں نہ مل سکیں تو پولیس کو فون کر دینا۔"

آفتاب نے جھلا کر کہا اور مطب کے دروازے کی طرف بڑھ گیا — اس نے مڑ کر دیکھا تو آصف کہیں بھی نظر نہ آیا؛ گویا وہ چھپ چکا تھا — اب اس نے گھنٹی کے بٹن پر ہاتھ رکھ دیا — اندر کہیں گھنٹی بجی اور پھر ایک پٹھان آتا نظر آیا — اس نے دروازہ کھول کر ناخوش گوار لہجے میں کہا —

"اس وقت کیا تکلیف ہے؟"

"تکلیف اندر پہنچ کر بتاؤں گا۔" یہ کہتے ہی آصف بلا کی پھرتی سے نیچے جھکا اور اندر گھس گیا —

"ارے ارے — یہ کیا؟" پٹھان دھاڑا — اتنی دیر میں آفتاب اس سے دور جا کھڑا ہوا تھا — پٹھان تیزی سے پلٹا اور دروازے پر ہی رک کر اسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگا — آخر اس کے ہونٹ ہلے —

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"یہاں میرے ابا جان آئے تھے — وہ آئے تھے نا؟"

"یہاں کوئی نہیں آیا۔" پٹھان بولا اور آفتاب کو یقین ہو گیا کہ اس کے والد یہاں آئے تھے، کیونکہ اگر پٹھان یہ کہتا کہ ہاں ایک صاحب آئے تو تھے اور دو لڑکوں کے بارے میں پوچھ کر چلے گئے

تو وہ مایوس ہو جاتا، لیکن پٹھان کا جواب سُن کر اس پر جوش کی کیفیت طاری ہوگئی۔

"بہت خوب، تو اس کا مطلب ہے، وہ یہاں آئے تھے"

"کیا تم نے سُنا نہیں، میں نے کیا کہا ہے؟" پٹھان بولا۔

"ہاں، سُن چکا ہوں، تم سفید جھوٹ بول رہے ہو۔ چلو جلدی بتاؤ، وہ کہاں ہیں؟"

"ٹھہرو، بتاتا ہوں۔ تم یوں نہیں مانو گے" یہ کہہ کر پٹھان پھر دروازے کی طرف مُڑا اور دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اب جو وہ پلٹا ہے تو اس کے تیور خطرناک تھے۔

"میں تمہیں بھی وہیں پہنچائے دیتا ہوں، جہاں تمہارے ابا جان ہیں"

"بہت خوب، یہی تو میں بھی چاہتا ہوں" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔ دوسری طرف وہ پوری طرح ہوشیار ہو چکا تھا۔ پٹھان ایک ایک قدم اس کی طرف بڑھنے لگا۔

چیخ کی آواز

انسپکٹر کامران مرزا کی آنکھ کھلی تو رات کے دس بج رہے تھے۔ انہوں نے حیران ہو کر اپنے ارد گرد دیکھا۔ وہ کمرے کے فرش پر پڑے تھے۔ کمرے میں ان کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ یہاں ایک اور ایک میز کے علاوہ کوئی فرنیچر نہیں تھا۔ میز پر ایک چھوٹا سا مائیک نصب تھا۔ شاید ڈاکٹر مونٹانا اس مائک میں ہی بات کرتا ہوگا اور اس کی آواز دوسرے کمرے میں کسی پوشیدہ سپیکر کے ذریعے جاتی ہوگی۔

انہوں نے اٹھ کر دروازے تک پہنچنا چاہا۔ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہی تھے کہ کمرے میں سفید رنگ کی روشنی پھیل گئی۔ روشنی چھت میں لگے شیشے میں سے آرہی تھی۔ ساتھ ہی انہیں ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ انہوں نے دروازے کی طرف بڑھنا چاہا، لیکن اچانک انہیں محسوس ہوا کہ ان کے جسم سے جان نکلتی جا رہی ہے۔ وہ گھبرا گئے۔ فوراً فرش پر لیٹ گئے اور سینے کے بل دروازے کی طرف رینگنے لگے۔

کیونکہ ٹانگوں میں سے تو بالکل ہی جان نکل گئی تھی — پیٹ کے بل رینگنے کا عمل چند سیکنڈ تک تو جاری رہا، لیکن پھر یہ کام بھی انہیں حد درجے مشکل محسوس ہونے لگا؛ تاہم انہوں نے کوشش ترک نہیں کی۔ چیونٹی کی چال سے آگے بڑھتے رہے — دروازے کے پاس پہنچتے پہنچتے ان کی یہ رفتار بھی ختم ہو گئی۔ ان کا ہاتھ دروازے سے چھو کر رہ گیا۔ اور پھر انہیں گہری نیند نے آ لیا —

دوبارہ آنکھ کھلی تو جل کے تول پڑے تھے اور سفید روشنی غائب تھی — عام بلب جل رہا تھا — انہوں نے محسوس کیا کہ اب وہ ہاتھ پیر ہلانے کے قابل ہیں — کوشش کر کے اُٹھے اور دروازے کو کھول دینا چاہا، لیکن اس میں تو قفل لگا تھا — انہوں نے زور لگانا چاہا، لیکن ممکن نہ ہوا — سفید روشنی کا اثر اب تک باقی تھا۔ اور آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا — انہوں نے خود کو اتنا بے بس بہت کم موقعوں پر محسوس کیا تھا:

"یا اللہ، میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں — میری مدد فرما"

عین اسی وقت انہوں نے دروازے کے دوسری طرف یعنی ساتھ والے کمرے میں ہل چل کی آوازیں سُنیں۔ انہوں نے کان دروازے سے لگا دیے — دوسری طرف کوئی تھا — انہوں نے زور دار انداز میں دروازے پر ہاتھ مارنا چاہا، عین اسی وقت ایک آواز کمرے میں ابھری:

"ٹھہرو، انسپکٹر کامران مرزا — ادھر زندگی اور موت کی بازی لگی

ہوئی ہے — تمہارے دروازہ کھٹکھٹانے سے حالات نہ جانے کیا صورت اختیار کریں — تم نہیں جانتے اس طرف کیا ہو رہا ہے — کن دو آدمیوں کے درمیان مقابلہ ہو رہا ہے"

"کن کے درمیان مقابلہ ہو رہا ہے" انسپکٹر کامران مرزا نے بوکھلا کر کہا —

"ابھی نہ پوچھو — غور کرو — آخر تم سراغرساں ہو"

انسپکٹر کامران مرزا نے غور کیا اور فوراً ہی اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ دوسرے کمرے میں ضرور آفتاب اور آصف یا ان میں سے کوئی ایک پٹھان چوکیدار سے ٹکرا گیا ہے — اس خیال نے انہیں پریشان کر دیا — ان کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا — انہوں نے سوچا، اس عمارت میں کسی خفیہ جگہ وہ شخص موجود ہے، سفید روشنی کے ذریعے وہ جب چاہے، ان کی جان نکال سکتا ہے — آخر انہوں نے کہا:

"میں نے نتیجہ نکال لیا ہے — میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ دوسرے کمرے میں کون دو آدمی لڑ رہے ہیں"

"اچھا، ذرا سُنوں تو تمہارا اندازہ کس حد تک درست ہے" طنزیہ انداز میں کہا گیا۔

"ضرور سنو، ادھر آفتاب یا آصف میں سے کوئی ایک تمہارے پٹھان چوکیدار سے ٹکرا گیا ہے"

" ہاں، تم واقعی مراغرساں ہو — بہت مزا آرہا ہے اس لڑائی میں ۔"

"وہ لڑ رہے ہیں اور تم خوش ہو رہے ہو، جب کہ یہ مقابلہ برابر کا نہیں ہے ۔" انسپکٹر کامران مرزا نے دانت پیسے ۔

" تم کہتے ہو، مقابلہ برابر کا نہیں ہے اور تمہارا بیٹیا پٹھان کو چکرائے دے رہا ہے — وہ پٹھان کے ہاتھ ہی نہیں آرہا ہے ۔ میں نے اتنا تیز اور طرار لڑکا پہلے کبھی نہیں دیکھا ۔"

" خدا کا شکر ہے کہ آج دیکھ لیا — اب مہربانی فرما کر اس مقابلے کو ختم کرو اور سامنے آکر بات کرو ۔ یہ سب چکر کیا ہے ؟"

" دوسرے لفظوں میں تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں خود کو قانون کے حوالے کر دوں گا — معاف کرنا ، میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں ۔" ہنس کر کہا گیا —

" کیا تم ڈاکٹر موٹانا ہو ؟"

" ہاں ، اس میں کیا شک ہے ۔"

" تو فلاحی اداروں کو چندے دینے کے لیے لوگوں کو تم ہی دھمکی آمیز خطوط لکھتے رہے ہو ۔"

" ہاں ، یہ بھی ٹھیک ہے ۔"

" اور سیٹھ ارسلان کی کار بھی تم نے ہی اپنے کسی آدمی کے ذریعے تباہ کرائی ہے — سلیمان کابوسی کی کوٹھی کو آگ بھی تم نے ہی

لگوائی ہے ۔"

" ہاں ، اور کل ایک اور کوٹھی تباہ ہونے والی ہے ، کیوں کہ اس نے بھی چندہ ادا نہیں کیا — یہ تین چار تباہ کن خبریں اخبار میں چھپنے کی دیر ہے ، پھر دیکھنا ، لوگ ان اداروں کس طرح چندہ دینے کے لیے دوڑتے ہیں ۔"

" لیکن تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوگا ؟"

" انسپکٹر کامران مرزا ، بات دراصل یہ ہے کہ تم ابھی بچے ہو ۔"

" یہ جان کر خوشی ہوئی ۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے ۔ ساتھ ہی ان کا ہاتھ بلا کی پھرتی سے حرکت میں آیا ؛ کوئی چیز تیر کی طرح چھت کے شیشے کی طرف گئی اور پھر شیشہ ایک زوردار دھماکے سے پھٹ گیا —

" ارے ، یہ کیا ہوا ؟" ڈاکٹر موٹانا کی بوکھلائی ہوئی آواز سنی ۔

" میرا جوتا چل گیا ہے — ذرا کبھی کبھی یہ کم بخت ایسی اوٹ پٹانگ حرکات کر بیٹھتا ہے — اب تم برف کی روشنی سے میری طاقت سلب نہیں کر سکو گے ۔"

" لیکن تم اس کمرے سے پھر بھی نہیں نکل سکو گے ۔" ڈاکٹر موٹانا کی دانت پیستی آواز سنائی دی —

" دیکھا جائے گا ۔" انہوں نے کہا ۔

عین اسی وقت انہوں نے دوسرے کمرے میں بھی ایک زوردار

چیخ کی آواز سُنی —

✻✻✻
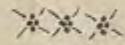
"کیا ارادے ہیں خان صاحب —" آفتاب نے اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر خوف زدہ آواز میں کہا —

"تمہارا کچومر نکالنا ہے —" خان صاحب نے کہا —

"یہ تمہیں کچومر کی ایسی کیا ضرورت پڑ گئی — بنا بنایا کیوں نہیں لے لیتے — اگر پیسے نہیں ہیں تو مجھ سے لے لو —"

"اس کی ضرورت نہیں، تمہارا کچومر مفت ہاتھ آنے والا ہے —"

"ارے باپ رے —" اس نے بوکھلا کر کہا۔

اس کے ساتھ ہی پٹھان نے چھلانگ لگائی — آفتاب پہلے ہی تیار تھا — اس نے بھی اپنی جگہ سے تیزی سے چھلانگ لگائی اور کمرے کے دوسرے کونے میں پہنچ گیا — یہ دیکھ کر پٹھان کو غصہ آ گیا — اس نے اندھا دھند انداز میں اس پر حملہ کیا، لیکن یہ اندھا دھند حملہ بھی آفتاب کو اس کی گرفت میں نہ لا سکا — وہ تیزی سے نیچے جھکا اور اس کے ہاتھ سے ایک انچ کے فاصلے سے دوسری طرف نکل گیا — پٹھان کا مارے غصے کے بُرا حال ہو گیا — اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور دوسرے ہی لمحے کمرے میں چاقو کھلنے

کی کڑکڑاہٹ گونج اُٹھی —

"ارے باپ رے — اب دست بدست لڑائی کی بجائے چاقو پر اُتر آئے — تمہیں شرم نہیں آتی — اپنے سے بہت چھوٹے لڑکے پر چاقو اُٹھاتے —"

پٹھان چوکیدار منہ سے کوئی لفظ نکالے بغیر اس کی طرف بڑھا اور چاقو کا ایک ہاتھ تاک کر اس کے پیٹ میں دے مارا — آفتاب پہلے ہی تیار تھا — اس کا پیٹ کمان کی طرح ٹیڑھا ہو گیا — اور پٹھان کا وار خالی گیا —

"ایسے مزا نہیں آئے گا — مزا تو تب ہے، جب تم مجھے بھی ایک چاقو دے دو —"

"بکو مت —" وہ غرّایا اور ایک بار پھر حملہ آور ہوا۔

آفتاب نے سوچا، کہیں چاقو اُس کے لگ ہی نہ جائے — کیوں نہ اس کھیل کو اب ختم کر دیا جائے — یہ سوچتے ہی اس نے پٹھان کو ایک غچہ دیا — پہلے تو وہ دھڑام سے فرش پر گرا، پٹھان یہ سمجھا کہ اس نے میدان مار لیا اور چاقو ہاتھ میں تولتا ہوا اس پر بے فکری کے انداز میں جھکا — عین اس وقت آفتاب نے پلٹنی کھائی اور اس کی کمر پر پہنچ گیا، پھر اس سے پہلے کہ پٹھان پلٹتا، اس نے سر کی ایک زوردار ٹکر اس کی کمر پر رسید کر دی۔ پٹھان پہلے ہی جھکا ہوا تھا اور ابھی سیدھا نہیں ہو پایا تھا، چنانچہ

ٹکر لگتے ہی منہ کے بل نیچے آیا — ساتھ ہی اس کے حلق سے ایک بھیانک آواز نکلی —

ابھی آفتاب سنبھلا نہیں تھا کہ ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھل گیا — اس نے دیکھا، اس کے ابا جان وہاں کھڑے تھے اور کمرے کے منظر کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے —

" اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم پٹھان سے نمٹ لوگے تو میں ادھر آنے کی بجائے اس کی طرف جاتا "

" کس کی طرف ؟" آفتاب نے حیران ہو کر کہا ۔

" ڈاکٹر مونٹانا کی طرف "

" کیا وہ اس وقت یہاں ہے ؟"

" ہاں، مجھ سے باتیں کرتا رہا ہے، لیکن اس پٹھان کو کیا ہوا ؟"

" جی پتا نہیں، میں نے اس کے چاقو سے بچنے کے لیے اس کی کمر پر اپنے سر کی ٹکر ماری تھی — یہ گرا اور چیخ پڑا " اس نے بتایا —

" اوہ، شاید چاقو اس کے لگ گیا ہے — کہیں ڈاکٹر مونٹانا فرار نہ ہو جائے — تم یہیں ٹھہرو "

" یہ کہتے ہی انہوں نے پھر اسی کمرے میں چھلانگ لگا دی جس کا دروازہ کھول کر باہر آئے تھے — دروازے کے دائیں طرف

ایک اور کمرے کا دروازہ وہ پہلے ہی دیکھ چکے تھے — اس وقت تک ان کی طاقت عود کر آچکی تھی ؛ چنانچہ انہوں نے اپنے دائیں کندھے کی ایک زوردار ٹکر دروازے پر دے ماری، لیکن دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا — اچانک انہیں خیال آیا، یہ کمرہ جس میں ڈاکٹر مونٹانا چھپا بیٹھا تھا — اس کے دوسری طرف بھی تو کوئی دروازہ یا کھڑکی ہوگی، جس کے ذریعے سے وہ فرار ہو سکتا ہے — پھر کیوں نہ دروازہ توڑنے کی بجائے اس طرف چلا جائے — اس خیال کے آتے ہی وہ دوڑتے ہوئے پہلے کمرے میں آئے — آفتاب اس وقت تک خود پر قابو پا چکا تھا اور پٹھان کا جائزہ لے چکا تھا، انہیں دیکھتے ہی بولا :

" ابا جان، یہ تو ختم ہو چکا ہے "

" اسے چھوڑو اور یہ بتاؤ، اس عمارت کا کوئی پچھلا دروازہ بھی ہے ؟"

" جی ہاں ہے "

" چلو، فوراً اس طرف چلو "

دونوں بھاگتے ہوئے باہر آئے — ادھر سے آصف چلا آ رہا تھا — ان دونوں کو باہر نکلتے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا —

" لیجیے یہ ٹہلتے پھر رہے ہیں " آفتاب نے چوٹ کی ۔

" میں انکل شاہد کو فون کرنے گیا تھا اور اب اندر آ رہا تھا "

"شکریہ، اب اس تنگ گلی کی طرف چلو۔"

وہ گلی میں پہنچے — جس دروازے سے آفتاب اور آصف دو بار نکل چکے تھے — وہ بند تھا، لیکن اس کے آگے ایک اور کمرے کا دروازہ تھا — یہ کھلا تھا — انہوں نے اندر جھانکا۔ وہ کمرہ خالی تھا — انسپکٹر کامران مرزا دوڑ کر سڑک پر آئے۔ انہوں نے سڑک پر دائیں اور بائیں دیکھا — دائیں طرف دور بہت دور، ایک کار کی سرخ بتیاں نظر آئیں۔

"افسوس، وہ نکل گیا۔"

"لیکن انکل، ہم اس کا جیپ پر تعاقب کر سکتے ہیں۔"

"جتنی دیر میں ہم جیپ میں سوار ہوں گے، اتنی دیر میں وہ نظروں سے اوجھل ہو چکا ہو گا اور نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ سب سے پہلا کام یہ کرے گا کہ کار کو کسی اور دائیں یا بائیں طرف کی سڑک پر موڑے گا، ہم اسے کس کس سڑک پر تلاش کریں گے۔"

"اس کا مطلب ہے، وہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا اور اب قابو میں نہیں آئے گا۔" آفتاب نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا — آؤ، اس کے کمرے کو تو دیکھیں۔"

وہ اس دروازے کی طرف بڑھے جو انہیں کھلا نظر آیا تھا —

اس کمرے میں انہیں عجیب و غریب سامان نظر آیا — یہ کسی ڈاکٹر کا کمرہ تو ہرگز نظر نہیں آ رہا تھا؛ البتہ اسے کسی سائنس دان کا کمرہ ضرور سمجھا جا سکتا تھا —

یہاں ایک میز پر چند ٹیوبیں نصب تھیں۔ ان میں دودھیا رنگ کی گیسیں بھری ہوئی تھیں — ایک جار میں انہیں ایک سیال چیز بھی نظر آئی — اس جار میں سے ربر کی ایک نلکی کمرے کی دیوار کے ایک سوراخ میں جا رہی تھی — جا بجا بجلی کے تاروں کا ایک جال بچھا تھا —

"میں سمجھ گیا — وہ ان گیسوں کے ذریعے اور اس مائع کے ذریعے کمرے کے اندر اچانک ٹھنڈک پیدا کر دیتا ہے۔"

"لیکن اس سے وہ کیا فائدہ حاصل کرتا ہے؟" آصف نے پوچھا۔

"ان گیسوں میں کلوروفارم بھی شامل ہے اور مائع ضرور ایتھر ہے — ان سے اور گیسوں کی ملاوٹ سے ایک تو ٹھنڈک پیدا کرتا ہو گا، اس کے ساتھ ہی بے ہوش کرنے یا طاقت سلب کرنے کا کام لیتا ہے — یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی ہپناٹزم کا ماہر ہو۔" انسپکٹر کامران مرزا نے خیال ظاہر کیا۔

"مطلب یہ کہ وہ سراسر لوگوں کو لوٹ رہا تھا۔"

"ہاں، وہی لوگوں کو اس طرح خوب متاثر کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہی خیال کرتے ہوں گے کہ یہ شخص بہت بڑا ماہر نفسیات ہے۔"

عین اسی وقت بھاری قدموں کی آواز گونجی ۔ معلوم ہوا سب
انسپکٹر شاہد اپنے ماتحتوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا۔ انسپکٹر کامران مرزا
نے اُسے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

"اس کمرے سے انگلیوں کے نشانات بہت احتیاط سے
اٹھوانے ہیں ۔ اور کسی سائنس دان کی مدد سے ان چیزوں کا معائنہ
کرانا ہے۔"

"تینوں باہر آئے ۔ آفتاب نے انہیں خاور شاہ کے تعاقب
کی کہانی کہہ سنائی، پھر پروفیسر خالد تابانی سے ملاقات کا بھی بڑی
تفصیل سے ذکر کیا اور وہاں جو کچھ ہوا تھا، بتا دیا۔

"اس کا مطلب ہے، کل جب وہ کوٹھی تباہ نہیں ہوگی تو
ڈاکٹر مونٹانا اپنے کسی آدمی کو بھیجے گا، تاکہ بم نہ پھٹنے کی وجہ معلوم
کی جا سکے اور دوبارہ بم سیٹ کیا جا سکے ۔ یہ تو بہت اچھی خبر
ہے ۔ کم از کم مجرم تک پہنچنے کے لیے ہمارے پاس کوئی تو ذریعہ ہے"
انسپکٹر کامران مرزا نے خوش ہو کر کہا۔

دوسرے دن وہ پروفیسر تابانی والی کوٹھی میں وقت سے بہت
پہلے ہی جا کر چھپ گئے اور اندر داخل ہونے والے کے تعاقب کا پورا
انتظام کر لیا گیا۔ وقت چیونٹی کی چال سے گزرتا رہا۔ آخر دروازے
کا تالہ کھلنے کی آواز سنائی دی ۔

مجرم سامنے

اندر آنے والے کا چہرہ انہیں اجنبی اجنبی سا نظر آیا۔ وہ
سیدھا اس غسل خانے میں گیا۔ جس میں بم لگایا گیا تھا اور پھر
بوکھلائے ہوئے انداز میں باہر آتا نظر آیا۔ بم نظر نہ آنے پر
اس کا بوکھلا جانا ضروری تھا۔

"بھئی، اس قدر بوکھلانے کی کیا ضرورت ہے، دوسرا بم سیٹ
کر دو" انسپکٹر کامران مرزا کی چہکتی آواز گونجی ۔ وہ اُچھل پڑا ۔
اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، لیکن جب کوئی بھی نظر نہ آیا تو اور حیران
ہوا۔ پھر بگٹٹ بھاگا۔ اس طرح کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔
باہر ایک سفید کار کھڑی تھی۔ وہ آندھی اور طوفان کی طرح اس میں
بیٹھا اور روانہ ہو گیا۔ غیر محسوس طور پر اس کا تعاقب شروع ہو
گیا۔ اس نے اپنے پیچھے کوئی کار آتے نہ دیکھی تو مطمئن ہو گیا۔
تعاقب کرنے والی کاریں تو اس کے آگے چل رہی تھیں۔ یہ تعاقب
کا ایک نیا طریقہ تھا۔ تعاقب کرنے والی کاریں وائرلیس پر انسپکٹر

کامران مرزا کو ہر منٹ بعد رپورٹ دے رہی تھیں — آخر انہیں اطلاع ملی کہ سفید کار ایک کوٹھی سے کچھ فاصلے پر رُک گئی ہے اور پروفیسر تابانی کے گھر میں داخل ہونے والا اس کوٹھی میں داخل ہوگیا ہے۔

"میں پہنچ رہا ہوں۔ کوٹھی کو گھیرے میں لے لیا جائے، لیکن نہایت خاموشی سے — اگر کوئی کوٹھی کی طرف آتا نظر آئے تو اُسے اندر داخل ہونے دیا جائے، کوئی باہر نکلے تو اُسے کچھ فاصلے پر پہنچنے کے بعد گرفتار کر لیا جائے —"

یہ ہدایات دے کر وہ آفتاب اور آصف کو ساتھ لے کر نکلے۔ اور اس کوٹھی تک پہنچ گئے، جسے پولیس نے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا — انہوں نے رات کی تاریکی میں کوٹھی کا جائزہ لیا اور بولے:

"میں چاہتا ہوں — ہم اندر موجود لوگوں کو اطلاع دیے بغیر اندر پہنچ جائیں — اس طرح کہ انہیں کانوں کان خبر نہ ہو۔"

"یہ کیا مشکل ہے ابّا جان، ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ ہم کس طرح اندر پہنچ سکتے ہیں —"

پھاٹک عبور کر کے وہ اندرونی دروازے تک پہنچے، یہ بند تھا۔ اب انہوں نے کوٹھی کی دیواروں کا جائزہ لیا — ایک پائپ چھت تک جا رہا تھا — سب سے پہلے انسپکٹر کامران مرزا چڑھے، پھر آفتاب اور اس کے پیچھے آصف چھت پر پہنچا — زینے کا دروازہ کھلا تھا دبے پاؤں سیڑھیاں اُتر کر وہ کوٹھی کے صحن میں آ گئے — ان پر جوش

کی کیفیت طاری تھی — انسپکٹر کامران مرزا نے دائیں ہاتھ میں پستول سنبھال لیا تھا۔ اسی وقت انہوں نے ایک آواز سُنی:

"باس، وہاں سے کسی نے بم ہٹا دیا ہے، جب کہ ہمارا خیال یہ تھا کہ بم میں کوئی خرابی ہوگئی ہے —"

"اوہ —" انہوں نے دوسری آواز سُنی — یہ آواز ڈاکٹر مونٹا کی تھی —

وہ اس کمرے کے دروازے تک کھسک آئے — جس میں یہ ساری گفتگو ہو رہی تھی —

"اور مزے کی بات یہ باس کہ وہاں کوئی شخص چھپا ہوا بھی تھا — میں یہ محسوس کرتے ہی وہاں سے بھاگ نکلا —"

"کیا کہا، کوئی چھپا ہوا تھا؟ تمہارا تعاقب تو نہیں کیا گیا؟"

"جی نہیں، میں نے ہر آن پیچھے نظر رکھی ہے —"

"ہوں، خیر کوئی بات نہیں — آج رات کے آخری حصے میں ہم اسے آگ لگا دیں گے — کل تک اخبارات میں ایسی کئی خبریں شائع ہو چکی ہوں گی اور اس کے بعد دیکھنا کہ چندہ دینے والے کس طرح چندے کی رقم لے کر دوڑتے ہیں — چند دنوں میں لاکھوں روپے جمع نہ کر دکھائے تو کہنا۔"

"کمال ہے، کس قدر غضب کی ترکیب ہے —" کسی کی آواز سنائی دی، جس کا مطلب یہ تھا کہ کمرے میں کچھ اور لوگ بھی موجود

ہیں — یہ بھانپ کر انہوں نے آفتاب کے کان میں سرگوشی کی :

"اندرونی دروازہ اندر سے کھول دو اور شاہد اور اس کے کچھ ساتھیوں کو یہاں لے آؤ — وہ کمرے کے باہر ٹھہریں گے اور ہم اندر چلیں گے ۔"

"جی بہتر ۔" اُس نے کہا اور چلا گیا —

"لیکن باس، آپ کا ڈاکٹر والا رُوپ تو ختم ہو گیا — اب آپ ماہرِ نفسیات بن کر دولت پیدا نہیں کر سکیں گے ۔"

"ہاں، وہ کم بخت انسپکٹر کامران مرزا وہاں پہنچ گیا؛ ورنہ بہت اچھا کام چل رہا تھا ۔"

"کیا آپ اس کے بچوں کو نہیں پہچانتے تھے ؟"

"نہیں، میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا؛ ورنہ اسی وقت ہوشیار ہو جاتا — میں یہی سمجھتا رہا کہ ان میں سے ایک واقعی مریض ہے؛ لہٰذا اس کا علاج شروع کر دیا — خیر کوئی بات نہیں — اب ہم چندے والے طریقے سے خوب دولت پیدا کریں گے، تم دیکھنا، بہت جلد ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے ۔"

ادھر انسپکٹر کامران مرزا نے شاہد کو آتے دیکھ لیا — انہوں نے اُسے اشارے سے سمجھا دیا کہ کیا کرنا ہے اور خود دروازے پر ایک زور دار ٹھوکر رسید کی — دروازے کے پٹ کھل گئے — کمرے میں موجود سب لوگ بوکھلا اُٹھے — انسپکٹر کامران مرزا کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر

ان کے منہ کھل گئے ۔

انہوں نے دیکھا، کمرے میں ایک تو وہ شخص تھا جو ابھی ابھی پروفیسر تابانی کی کوٹھی سے ہو کر آیا تھا — دوسری صوفیہ تھی جو ڈاکٹر مونٹانا کی کلرک تھی — ان میں ایک مولانا ظفر تھا جو مسجد کی تعمیر کا ذمے دار تھا — چوتھا آدمی یتیم خانے کا مینجر تھا — ان چاروں کے علاوہ ایک پانچواں شخص بھی تھا — یہ دوسروں کے مقابلے میں ذرا اونچی کرسی پر بیٹھا تھا — شاید باقی لوگ اسی کو باس کہہ رہے تھے — یہی ڈاکٹر مونٹانا کی آواز میں باتیں کر رہا تھا — اس کے چہرے پر ایک چھوٹی سی ڈاڑھی تھی — آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی —

"تو آپ ہیں ڈاکٹر مونٹانا ۔" انسپکٹر کامران مرزا نے طنزیہ لہجے میں کہا —

ڈاکٹر مونٹانا کو جیسے سانپ سُونگھ گیا تھا — اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا — اس کے ساتھی بھی دم بخود رہ گئے — آخر انسپکٹر کامران مرزا ہی بولے :

"آفتاب، آصف، ان میں سے وہ سنہری چشمے والا کون ہے ؟"

"وہ یہی نظر آتا ہے جو ابھی ابھی پروفیسر تابانی کی کوٹھی سے ہو کر آیا ہے — معلوم ہوتا ہے اس نے اپنے چہرے میں کچھ تبدیلی کر لی ہے اور یہ اس نے ہمارے ڈر سے کیا ہو گا ۔"

"ہوں! اس تبدیلی کو ختم کر دو۔" انہوں نے کہا۔

"جی بہتر۔" آفتاب نے کہا اور اس کی طرف بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اس کے منہ پر نظر آنے والی نقلی مونچھیں اکھاڑ پھینکیں انہوں نے دیکھا، یہ خاور شاہ ہی تھا۔

"جی ہاں، یہ وہی ہے۔"

"بہت خوب۔ اب ڈاکٹر مونٹانا کی باری ہے، لیکن اس کا اصلی چہرہ دیکھنے سے پہلے دس گیارہ سال پہلے کی ایک چھوٹی سی کہانی سُن لو۔"

"جی، کیا فرمایا آپ نے۔ کہانی سُن لیں۔" آفتاب اور آصف چونکے اور انہیں تکنے لگے۔

"ہاں بھئی کہانی۔ لیکن یہ کہانی کسی جاسوسی ناول نگار کی کہانیوں کی طرح سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی سے بھرپور نہیں ہے۔ یہ تو ایک سیدھی سادی اور دردبھری سی کہانی ہے، جو دو تین جملوں میں ختم ہو جائے گی۔"

"اتنی مختصر کہانی۔" ان کے منہ سے نکلا۔ خود ڈاکٹر مونٹانا کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار نظر آئے۔

"ہاں سنو، ایک پادری ایک سیٹھ صاحب کے گھر گرجا کے لیے چندہ مانگنے گیا۔ سیٹھ بہت کنجوس تھا۔ اس نے چندہ دینے سے انکار کر دیا۔ جب پادری کسی طرح نہ ٹلا تو سیٹھ صاحب نے غصے میں آکر اسے دھکا دے دیا۔ وہ اس وقت زینے کے عین اوپر کھڑا تھا۔

اس کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ سیڑھیوں پر لڑھکتا ہوا نیچے آ رہا۔ بوڑھا آدمی تھا۔ سر کے پچھلے حصے پر چوٹ آئی تو بے چارہ دم توڑ گیا۔ سیٹھ صاحب گھبرا گئے۔ انہوں نے پولیس کو فون کیا اور سچ سچ سب کچھ بتا دیا۔ انہیں بہت تھوڑی سزا ہوئی، لیکن پادری کے بیٹے کے دل میں انتقام کے شعلے بھڑکنے لگے۔ دس سال گزرنے پر اس نے انتقام لینے کا منصوبہ بنایا۔ یہ منصوبہ اس نے صرف اس سیٹھ سے نہیں، پورے معاشرے سے لینے کا بنایا تھا، لیکن اس کا نشانہ سب سے پہلے وہی سیٹھ صاحب بنے، یعنی سیٹھ ارسلان۔"

"اوہو، تو وہ پادری سیٹھ ارسلان کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔" آصف کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"ہاں، اور اس وقت باس کی جگہ جو شخص بیٹھا ہے، وہ اس پادری کا بیٹا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ارے۔"

"لیکن اس نے ذرا اپنی شکل صورت چھپا رکھی ہے۔ ابھی میں تمہیں اس کی اصل صورت دکھاؤں گا۔ پہلے ذرا یہ سُن لو کہ یہاں دوسرے حضرات کون کون ہیں۔ یہ جو صاحب ڈاڑھی والے نظر آ رہے ہیں، یہ مولانا ظفر ہیں۔ یہ ایک مسجد تعمیر کرا رہے ہیں۔ ان کی مسجد کو بھی زبردستی چندہ دلانے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ دوسری طرف یتیم خانے کے مینجر ہیں۔ یہ بھی اپنے باس کے ساتھ شامل ہیں۔

اس عورت کو تو تم جانتے ہی ہو — یہ ڈاکٹر مونٹانا کی کلرک کے طور پر کام کرتی ہیں اور خاور شاہ سے تو تمہارا واسطہ پڑ چکا ہے، رہ گئے یہ —" انہوں نے انگلی کے اشارے سے باس کی طرف اشارہ کیا — "تو سنو، جہاں میں مسجد اور یتیم خانے کے ذمے داروں سے ملا تھا، وہاں گرجا کی تعمیر کے ذمے دار سرور حمید سے بھی ملا تھا. لیکن اس وقت ہمیں سرور حمید کہیں نظر نہیں آرہے ہیں۔ کہیں وہی تو باس کے روپ میں جلوہ گر نہیں ہیں۔ — آفتاب، ذرا ان کا چشمہ تو اتار دو اور ڈاڑھی بھی نوچ لو، کیونکہ جب سرور حمید سے میں ملا تھا، اس کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں تھی —"

آفتاب نے آگے بڑھ کر ان کے حکم کی تعمیل کی — دوسرے ہی لمحے وہ چہک کر بولے :

"بہت خوب، تو میرا اندازہ درست نکلا — یہ سرور حمید ہی ہے —"

"تو کیا یہ اس پادری کا بیٹا ہے ؟" آصف نے پوچھا۔

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں —"

"لیکن انکل — آپ کو دس سال پہلے کا یہ واقعہ کس طرح یاد آگیا ؟"

"سرور حمید کو ہی دیکھ کر یاد آیا تھا — دراصل پادری صاحب کے ہلاک ہونے کے واقعے کو میں نے غور سے پڑھا تھا اور تصویر بھی کئی سیکنڈ تک دیکھتا رہا تھا بس وہ تصویر میرے ذہن میں رہ گئی۔ سرور حمید کو دیکھ کر

مجھے وہ پادری یاد آگیا —"

"کمال ہے، آپ کی یادداشت بھی حیرت انگیز ہے —" آصف نے حیران ہو کر کہا —

"بس اب زیادہ حیران ہونے کی کوشش نہ کرو — میں انکل شاہد کو بلاتا ہوں —" آفتاب نے کہا اور پھر دروازے کی طرف منہ کر کے کہنے لگا :

"انکل شاہد آجائیے — ہم نے آپ کے لیے مہمانوں کا بندوبست کر دیا ہے — بہت شکایت کرتے تھے آپ کہ بہت دنوں سے کوئی مہمان آپ تک نہیں پہنچا — لیجیے، جی بھر کر مہمان نوازی کیجیے —"

وہ کہتا چلا گیا — سب انسپکٹر شاہد اندر داخل ہوا تو بے ساختہ انداز میں مسکرا رہا تھا — آصف بُرے بُرے منہ بنانے لگا —

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۴۶

جنگل کا قانون

مصنف: اشتیاق احمد

- خان بہادر شکار کھیلنے جا رہے تھے کہ اچانک چار فائر ہوئے۔
- ان کی چاروں جیپوں کے ٹائر پھٹ گئے، لیکن حملہ آور انہیں کہیں بھی نہ ملے۔
- کوئی ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا تھا۔ لیکن کیوں؟
- انہوں نے اپنی مدد کے لیے انسپکٹر جمشید کو بلوا لیا۔
- خان بہادر کے گھر کے لوگ تمام کے تمام عجیب و غریب تھے۔
- محمود، فاروق اور فرزانہ کوٹھی کے اندر اپنا کام دکھاتے ہیں۔
- اس ناول کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ آخر تک یہ اندازہ نہیں لگا سکیں گے کہ یہ چکر کیا ہے۔ پڑھیے اور حیرتوں کے سمندر میں غوطے لگائیے۔

قیمت: ۵/۵۰

مشہور و معروف مصنف اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور
جاسوسی سے بھرپور
ناول
نومبر کے ناول
۴۴- خوف زدہ آدمی
انسپکٹر جمشید سیریز
۵/۵۰
۴۵- نقلی چہرہ
" "
۵/۵۰
۱۰- برف کی روشنی
انسپکٹر کامران مرزا سیریز
۵/۵۰
۹- قراقرم کی کہانی
سفرنامہ
۲/۵۰
دسمبر کے ناول
۴۶- جنگل کا قانون
انسپکٹر جمشید سیریز
۵/۵۰
۴۷- ہولناک لمحے
" "
۵/۵۰
۱۱- ایشیا کا جلاد
انسپکٹر کامران مرزا سیریز
۵/۵۰
۷- صحابہؓ کی باتیں
اسلامی پیش کش
۵/۰۰
مکتبہ اشتیاق
راجپوت مارکیٹ - اردو بازار - لاہور